تعمیر حیات

۲۵ اگست ۱۹۶۵ء مطابق ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ
سات روپئے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

شعبہ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

مسجد نبوی کا ایک حسین اور نو تعمیر مینارہ جو نئی عمارتوں کے درمیان نظر آرہا ہے

Regd No L. 1981

TAMEER-E-HAYAT

Phone No 23641

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف عربی زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور آسان ترین ذریعہ بنتی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۷۵/، حصہ دوم ۷۵/، حصہ سوم ۱/۲۵

القراءۃ الراشدۃ

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اس کی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اس کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ... حصہ دوم ... حصہ سوم ...

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار تحریروں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کے ساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتی ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں، سیرت نبوی، اسلامی تاریخ ... صاحب طرز انشاء پردازوں کی تحریروں کے نمونے ... عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں ... ترجمہ کے ساتھ ... مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت ...

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے، اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ بہت سی دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ... حصہ دوم ...

Cover Printed at Nadwatul Ulama Press LUCKNOW

پندرہ روزہ **تعمیر حیات** لکھنؤ

۲۵ر اگست سنہ ۱۹۶۵ء
مطابق
۲۷ر ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

سالانہ ۷ر روپئے
ششماہی ۴ ـ روپئے
فی کاپی ۳۰ پیسے

جلد ۲ — شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ — شمارہ ۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام میں احساس ذمہ داری

سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

احساس ذمہ داری اسلامی معاشرہ کا ایک اہم رکن ہے، کوئی معاشرہ اس احساس سے خالی رہ کر زندہ نہیں رہ سکتا، یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر معاشرہ کی ترقیوں اور اس کی کامیابی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے، اسلام نے جہاں اور بہت سی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے وہیں احساس، ذمہ داری کو بیدار کرنے میں اس نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے، ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں ہر ایک ذمہ دار اور جوابدہ ہے، حاکم وقت ذمہ دار ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے، مرد اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے اور ان کے بارے میں جوابدہ ہے عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس کی حفاظت کی جوابدہ ہے، خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اسکے متعلق جوابدہ ہے۔"

اسلام میں ذمہ داری کا یہ احساس مادی مصالح، انفرادی اعتبارات، اور نفس انسانی کے تابع نہیں ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا کوئی سیاسی رجحان کارفرما ہے بلکہ یہ خالص دینی شعور ہے جو ہر اس دل میں پیدا ہوتا ہے جو خوف خدا سے معمور ہو اور جس کی پہنائیوں میں تقوٰی جاگزیں ہو، انسانی زندگی کے تمام پہلو اس شعور سے متاثر ہوتے ہیں اور معاشرہ میں ایک نظام، ایک ترتیب اور اعتماد و اطمینان کی فضا پیدا ہوتی ہے، اور معاشرہ کو آگے بڑھنے اور خود کفیل ہونے میں اس سے مدد ملتی ہے۔

اسوقت ہمارے سامنے دنیا کے کئی معاشرے ایسے ہیں جو محض اس احساس ذمہ داری کے باعث مادی، ترقی کے بام عروج تک پہونچ چکے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکی معاشرہ کو لے لیجئے جو احساس ذمہ داری کی سب سے بڑی مثال ہے خواہ یہ معاشرہ اخلاقی لحاظ سے کتنا ہی زوال پذیر اور دیوالیہ کیوں نہ ہو لیکن وہ احساس ذمہ داری کے باعث آج دنیا کا ایک اہم ترین ترقی یافتہ معاشرہ قرار دیا جاتا ہے، مگر چونکہ اس معاشرہ میں دینی احساس، اجتماعی شعور، عائلی تعلقات کا فقدان ہے، اس لئے دینی لحاظ سے اس کی کوئی قیمت نہیں اور نہ وہ قابل اعتنا ہے بلکہ قابل نفرت ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک انتہائی آزاد معاشرہ جس کا دین سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ ہو صرف احساس ذمہ داری کی برکت سے مادی ترقیات کی ان بلندیوں پر پہونچ سکتا ہے جہاں سے وہ پوری دنیا کو چیلنج کرے اور دوسری قوموں کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور انکو بونوں کی ایک بھیڑ تصور کرے اور یہ سمجھے کہ زندگی کے صحیح حقدار ہم ہیں نہ کہ یہ، دنیا ہمارے لئے پیدا کی گئی ہے اور ہم ساری دنیا پر حکمرانی کا حق رکھتے ہیں۔

یہ احساس اس قوم میں کہاں سے آیا اور کس طرح پیدا ہوا؟ اس کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ زندگی کی دوڑ، اور کائنات کے چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش میں اس قوم نے جانفشانی، محنت اور جس بے پناہ قوت عمل کا ثبوت دیا ہم اس کے عشر عشیر سے بھی قاصر ہے اس نے اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس کیا اور ان کو پوری کرنے کے لئے جان توڑ محنت کی، آج مغربی دنیا کا کوئی فرد بیکار، مفلوج، از کار رفتہ اور دوسروں پر بار نہیں نظر آتا، اس کی صرف ایک وجہ ہے کہ، معاشرہ کا ہر فرد اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہے اور اسکو پوری امانت داری اور محنت کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مغربی دنیا کی یہ وہ خوبی ہے جو صرف اسلامی دنیا کا حصہ تھی، مغرب کو آج اگر کسی حیثیت سے بہتر قرار دیا جا سکتا ہے تو صرف اس کی اسی خوبی کی بنا پر، اسی طرح اسلامی دنیا کے کمزور، زوال پذیر اور ترقی کے میدان میں پیچھے ہونے کی اگر کوئی وجہ ہو سکتی ہے تو وہ محض اسی احساس کا فقدان ہے جو ہر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی چند اردو مطبوعات

مقالات سیرت

از:- ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے، پی ایچ، ڈی

سیرت محمدی کے موضوع پر دنیا کی مختلف زبانوں میں جو لکھا گیا ہے اسکا شمار مشکل ہے اردو اس باب میں خاص امتیاز رکھتی ہے جسمیں بڑی سے بڑی ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن ڈاکٹر آصف نے مقالات سیرت کے نام سے یہ کتاب تعلیم یافتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کیلئے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر لکھی ہے۔

کتابت وطباعت دیدہ زیب، سائز ۱۸×۲۲، صفحات ۲۸۰، قیمت مجلد مع گردپوش ۴/۵۰

طوفان سے ساحل تک

از:- محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس)
ترجمہ:- محمد الحسنی (مدیر البعث الاسلامی)

اس کتاب میں مغربی زندگی کے اس طوفان کی تصویر پیش کی گئی ہے جس سے گزر کر محمد اسد صاحب قلبی و روحانی سکون کے ساحل تک پہونچے اور ایمان سے بہرہ یاب ہوئے، اس میں مغربی تہذیب کی مکمل تصویر بھی ہے اور اسلامی معاشرہ کی خصوصیات پر بہت خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مفصل مقدمہ کے ساتھ۔

کتابت، طباعت معیاری، کاغذ اعلیٰ، قیمت:- مجلد پانچ روپے

ہندوستانی مسلمان

از:- مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کا کردار، انکے شہرۂ آفاق علمی و تعمیری کارنامے، زندگی و تمدن پر ان کی گہری چھاپ، جنگ آزادی میں قیادت و رہنمائی، اور انکے موجودہ مسائل — یہ کتاب درحقیقت سینکڑوں کتابوں کا خلاصہ ہے۔

مجلد مع گردپوش قیمت ۲/۵۰ عربی ایڈیشن ۲/۵۰ انگریزی ۶/-

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

ترقی کی کنجی ہے اور ہر بلندی کا راز ہے۔

اسلامی زندگی میں یہ احساس ہر پہلو کے ساتھ وابستہ ہے، عبادات و معاملات میں جس طرح احساس ذمہ داری ضروری ہے اسی طرح اجتماع سیاست اور قوم و وطن کی خدمات میں بھی ضروری ہے، مذکورہ بالا حدیث میں اس کا اشارہ پوری وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کیلئے نامزد فرمایا تو ان کو نصیحت فرمائی۔ من جملہ اس کے فرمایا۔

"تم پر اللہ کے کچھ حقوق رات میں ہیں، جن کو وہ دن میں قبول نہیں کرتا، اور کچھ حقوق دن میں ہیں جن کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا — اور جب تک تم فرائض نہ ادا کروگے وہ نفل نہیں قبول کرے گا......"

چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریوں کو اس طرح محسوس کیا کہ ان کے لئے ایک لمحہ بھی آرام اور راحت کا نہیں تھا، راتوں کو اٹھ کر رعایا کی خبر گیری کرتے، ان کے آرام و راحت کی فکر فرماتے اور اس اندیشہ سے کہ کہیں لوگ آپ کو پہچان کر بے خوف و خطر شکایت کرنے سے پرہیز کریں اور اپنے حالات سے مطلع کرنے میں احتیاط سے کام لیں، آپ بھیس بدل کر اور ایک عام اور معمولی انسان کے انداز میں لوگوں سے ملتے، ان سے ان کی تکلیف و راحت کے بارے میں سوال کرتے تاکہ آپ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکیں اور اللہ تعالے کے یہاں جواب دہ نہ ہونا پڑے،

عام الرمادہ کا مشہور قحط جب واقع ہوا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حقیقت کو اور زیادہ آشکارا کیا، انھوں نے اس موقع پر اپنی ذمہ داری کو جس طرح محسوس کیا اس کا نقشہ کون کھینچ سکتا ہے، تاہم تاریخ کی یہ شہادت، ملاحظہ فرمایئے۔

"عام الرمادہ میں لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمر کا سرخ و سفید رنگ بالکل سیاہ پڑ گیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ قحط میں رعایا کی تکلیف میں شریک ہونے کے خیال سے انھوں نے اپنے اوپر گھی اور دودھ وغیرہ قسم کی چیزیں بالکل حرام کرلی تھیں، زیادہ تر بھوکے رہتے، یہانتک کہ لوگ ان کی حالت دیکھکر کہنے لگ گئے کہ اگر قحط دور نہ ہوا تو حضرت عمرؓ کو رعایا کا غم ہلاک کرڈالیگا"

"قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے گھر میں کھانا ترک کردیا، باہر بھوکوں کو کھلانے کے لئے جو کچھ پکواتے وہی کھانا عام لوگوں کے ساتھ خود بھی کھا لیتے"

"قحط کی شدت جب بہت بڑھ چکی تھی تو ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے گھی میں چوراکی ہوئی روٹی لائی گئی۔ انھوں نے ایک بھوکے بدو کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیا۔ بدو تھالی کے اندر گھی کے ذریعے ایک ایک کونے میں تلاش کرتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا یہ حال دیکھکر فرمایا، شاید تمہیں گھی بہت مدت سے کھانے کو نہیں ملا ہے؟

اس نے کہا اے امیرالمومنین اتنی مدت سے (اس نے کچھ متعین کرکے بتائی) نہ گھی کھایا نہ کوئی اور روغن اور نہ کسی کھانے والے ہی کو دیکھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُنا تو اس قدر متاثر ہوئے کہ قسم کھائی کہ جبتک قحط دور نہ ہوگا۔ نہ گوشت کھاؤنگا اور نہ گھی، اور اس عہد پر اس وقت تک قائم رہے جب تک قحط دور نہ ہوگیا"

یہ احساس ذمہ داری ہی تھا جس نے حضرت عمرؓ کو اس قسم کے کھانے پر مجبور کیا اور باوجود اپنے عہد کے سب سے بڑے حاکم و خلیفہ ہونے کے صرف اس بنا پر زہد و قناعت کی زندگی گذاری کہ اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوسکیں اسی احساس ذمہ داری کا نتیجہ تھا کہ اس زمانے میں ایک مثالی معاشرہ قائم ہوا جس میں حاکم و رعایا کے درمیان کوئی تفریق نہیں تھی۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کے بعد جب ہوا و ہوس کا غلبہ ہوا اور اقتدار و حکومت کی کشمکش شروع ہوئی تو ذمہ داری کا یہ احساس گھٹنا شروع ہوا، اور رفتہ رفتہ اسلامی معاشرہ سے مفقود ہوتا گیا، اور مجموعی طور پر بالکل ختم ہوگیا، گو انفرادی طور پر موجود تھا لیکن زندگی کے ہنگامے میں دب کر رہ گیا۔

احساس ذمہ داری معاشرہ کے افراد میں باہمی ارتباط، محبت و تعلق پیدا کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، اسی احساس کی بدولت بسا اوقات معمولی اور چھوٹے لوگوں نے بڑے بڑے کام انجام دئیے ہیں، کیا یہی وہ احساس نہیں تھا، جس نے محمد بن قاسم جیسے نوجوان سے سندھ اور محمد الفاتح سے قسطنطنیہ فتح کرایا، اور کیا یہی وہ احساس نہیں تھا جس نے طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر سے اندلس فتح کرایا، اسی احساس نے دنیا کو ایک عظیم تاریخ عطا کی اور عالم انسانیت کو ان بڑے بڑے کارناموں سے روشناس کرایا جو تنہا اسلامی تاریخ کا حصہ ہے۔

اسلامی تاریخ ہر زمانے میں ان کارناموں کی منتظر رہی، آج بھی وہ اسلامی دنیا اور مسلمانوں سے ان کارناموں کی متوقع ہے، لیکن تاریخ کی یہ امید اور اس کی توقع اسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب خود ہمارے اندر اپنی ذمہ داری کا احساس ہو، اور سمجھیں کہ ہمارے فرائض اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟

اولڈ بوائز کنونشن

۸،۷ اگست کو لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز کنونشن بخیر و خوبی گزرا اور اس حیثیت سے یہ کنونشن بہت کامیاب رہا کہ اس کو ناکام بنانے کیلئے ہر طرف سے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا، کنونشن میں ایک ہزار سے زائد مندوبین نے شرکت کی اور یونیورسٹی اور آرڈی ننس سے متعلق مختلف تجاویز باتفاق رائے پاس کی گئیں، صدر کنونشن محمد یٰسین نوری صاحب کا خطبہ صدارت ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اس کا متن مختلف اخبارات میں شائع ہوچکا ہے

اقبال مدینۃ الرسولؐ میں

از .... مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک نئی زیر ترتیب کتاب "کاروان مدینہ" کا ایک حصہ

ڈاکٹر محمد اقبال کی پوری زندگی عصر جدید سے کشمکش میں گذری، انھوں نے مغربی تہذیب اور مادی فلسفہ کا نہ صرف انکار کیا بلکہ اس پر آگے بڑھ کر سخت تنقید کی، اس کو چیلنج کیا اور بڑی جرأت، روشن ضمیری اور گہرائی کے ساتھ اس کو کھوٹا ثابت کیا۔ اور اس پردۂ فریب کو چاک کیا جس نے اس کی اصلی اور مکروہ شکل کو نگاہوں سے چھپا رکھا تھا، وہ حقیقت میں نئی نسل کے مربی اور ربانی، اور یقین و خود اعتمادی نیز اپنی اسلامی شخصیت کے مکمل شعور کے حامل اور مادی بنیادوں اور مادی طرز فکر کے زبردست منکر تھے اور ان کو یہ کہنے کا حق حاصل تھا!

چو رومی در حرم دادم اذاں من ❊ ازو آموختم اسرار جاں من
بدورِ فتنۂ عصر کہن او ❊ بدورِ فتنۂ عصر رواں من

وہ مغربی علوم سے اپنی بغاوت، اس کے جال سے بچ نکلنے اور اپنے عقیدہ و ایمان اور خصوصیات کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے بڑا قلندرانہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے مغربی فلسفہ و تہذیب کے آتش نمرود میں شان ابراہیمی کا مظاہرہ کیا، وہ فخر و مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ انھوں نے ان علوم کے مغز کو حاصل کرلیا، پوست کو پھینک دیا اور یہی نہیں بلکہ کامیابی کے ساتھ اس کے جال سے باہر بھی آگئے اور اس کے اس "طلسم ہوشربا" کو پاش پاش کردیا جس نے مشرق و مغرب دونوں کی نظر بندی کر رکھی ہے،

طلسم علم حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانند براہیم
بہ نار او چہ بے پروا نشستم

وہ اپنی اس زندگی کا ذکر کرتے ہیں جو یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں گذری تھی اور جہاں خشک و افسردہ کتابوں، دقیق فلسفیانہ مباحث جمال فتنہ انگیز اور دلآویز و خوشنما مناظر کے سوا انہیں اور کچھ نہ مل سکا، اگر کوئی چیز ملی تو خود فراموشی تھی جس نے ان کو ان کے وجود سے بھی محروم کردینا چاہا۔

بہ افرنگی بتاں دل باختم من
ز تاب دیریاں بگداختم من
چناں از خویشتن بیگانہ بودم
چو دیدم خویش را نشناختم من

اب بھی جب ان کو ان دنوں کی ویرانی و بے نوری یاد آتی ہے ان کی طبیعت پر وحشت و انقباض طاری ہوجاتا ہے۔

وہ بڑے جوش کے ساتھ کہتے ہیں کہ میخانہ مغرب میں بیٹھ کر مجھے سوائے دردسر کے اور کچھ نہ ملا اس سے زیادہ بے سوز بے نوا اور بے کیف شب و روز مجھے اپنی پوری عمر میں یاد نہیں جو ان — "دانشمندان فرنگ" کے ساتھ گزرے۔

مے از میخانۂ مغرب چشیدم
بجان من کہ دردسر خریدم
نشستم با نکویان فرنگی
ازاں بے سوز تر روزے ندیدم

پھر بڑے درد سے کہتے ہیں کہ میں تو آپ کے ایک فیض نگاہ کا پروردہ ہوں "اہل دانش و اہل خرد" کی یہ ساری نکتہ آفرینیاں اور لن ترانیاں میرے لئے دردسر کا سامان اور وبال جان ہیں۔ میں تو صرف آپ کے در کا فقیر اور آپ کی گلی کا سائل ہوں، مجھے کسی کے سنگ آستاں پر سر پھوڑنے اور قسمت آزمانے کی کیا ضرورت!

فقیرم از تو خواہم ہر چہ خواہم
دل کوہ سے خراشم از برگ کاہم
مرا درس حکیماں دردسر داد
کہ من پروردۂ فیض نگاہم

پھر وہ اس طبقہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو علم و دین کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے وہ اس کی خشکی اور جمود، محبت اور سوز و درد دل سے محرومی، معلومات کی گرم بازاری اور اصطلاحات کی گراں باری کا شکوہ کرتے ہوئے بڑے شاعرانہ اور بلیغ الفاظ میں کہتے ہیں کہ اس کا صحرائے حجاز، زمزم سے خالی اور بیت اللہ سے محروم ہے، وہ کہتے ہیں کہ حجاز کے ریگستان کی قیمت تو بیت اللہ اور آب زمزم سے ہے، اگر یہ نہ ہوں تو ان تپتے ہوئے بیابانوں اور خاموش پہاڑوں سے کیا فائدہ؟ اسی طرح وہ عالم دین کتنا مفلس اور نادار ہے جو علم و فن زبان گہر افشاں اور ذہن رسا کا مالک ہے لیکن اس کی آنکھ محبت کے ایک آنسو اور دل کی ایک تڑپ سے بھی ناآشنا ہے جس کے حصہ میں اس سرزمین مقدس کی صرف سختی اور گرمی آئی ہے خنکی اور نمی نہیں آئی۔

دل ملا گرفتار غمے نیست
نگاہے ہست در چشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتب او
کہ در ریگ حجازش زمزمے نیست

وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار غیر اللہ پر بھروسہ کیا اور اس کی سزا میں دو سو بار اپنے مقام سے نیچے گرایا گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں زور شمشیر اور حسن تدبیر کوئی چیز کام نہیں آتی، یہ تقدیر الٰہی اور مشیت ایزدی کا مقام ہے اور اسی میں ایک

لغزش قدم آدمی کو بہت نیچے گرا سکتی ہے

دل خود را بدست کس ندادم
گرہ از روئے کار خود کشادم
بغیر اللہ کردم تکیہ یک بار
دو صد بار از مقام خود فتادم

وہ کہتے ہیں کہ اس بے اخلاص و بے سوز عہد میں جو منفعت و مصلحت کے سوا کسی اور چیز سے آشنا نہیں اور جسکا مصنوعی یا حیوانی دل ہر قسم کے لطیف احساسات اور مخلصانہ جذبات سے عاری ہے۔ میرے لئے سوز دروں کی آگ میں جلنے اور خون جگر پینے کے سوا اور کیا ہے۔

نگاہم زانچہ بینی بے نیاز است
دل از سوز درونم در گداز است
من و ایں عصر بے اخلاص و بے سوز
بگو با من کہ آخر ایں چہ راز است

وہ کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کسی جگہ میرا کوئی ہمدم و ہمراز نہیں، اپنا غم دل خود اپنے ہی دل سے کہتا ہوں اور اپنے کو بہلاتا ہوں۔

من اندر مشرق و مغرب غریبم
کہ از یاران محرم بے نصیبم
غم خود را بگویم با دل خویش
چہ معصومانہ غربت را فریبم

ان کو اس کی شکایت ہے کہ ان کے مخلصانہ نصیحتوں اور مشوروں پر کسی نے عمل نہیں کیا اور ان کے نخل علم کا کسی نے پھل نہ کھایا، انھوں نے شاعری میں جس سروش غیب کی ترجمانی کی اس پر کسی نے کان نہیں دھرا، سب ان کو ترجمان حقیقت کے بجائے محض غزل خواں اور غزل گو سمجھتے ہے

بآں رازے کہ گفتم پے نبردند
ز شاخ نخل من خرما نخوردند
من اے میر امم داد از تو خواہم
مرا یاران غزل خوانے شمردند

وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتے ہیں کہ آپ کا حکم اور فرمان تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو زندگی و بقاء دوام کا پیغام پہونچاؤں لیکن یہ ناحق شناس مجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ عام اور پیشہ ور شعراء کی طرح میں لوگوں کی تاریخ وفات نکالوں اور قطعہ تاریخ کہتا رہوں۔

تو گفتی از حیات جاوداں گوئے
بگوش مردہ جاں پیغام جاں گوئے
ولے گویند ایں ناحق شناساں
کہ تاریخ وفات ایں و آں گوئے

وہ بڑے درد و سوز اور بڑی حسرت اور تلخی کے ساتھ اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ علم اور وہ پیغام جو ان کے اشعار کی روح اور اصل قیمت ہے اسی سے لوگوں کو سب سے کم دلچسپی ہے اور اس میں انھوں نے بڑی قناعت اور زہد کا ثبوت دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنی ساری متاع کھول کر میں نے بازار میں رکھدی لیکن کوئی اس جنس نایاب کا خریدار نہ ملا۔ میں نے ارمغان دل پیش کرنا چاہا لیکن اس کا بھی کوئی قدردان نظر نہ آیا، مجھ سے زیادہ غریب الوطن، بیگانہ اور تنہا، اس دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے

دلے برکف نہادم دلبرے نیست
متاعے داشتم غارت گرے نیست
درون سینۂ من منزلے گیر
مسلمانے ز من تنہا ترے نیست

آخر میں وہ سلطان ابن سعود کو خطاب کرتے ہیں، لیکن ان کا روئے سخن دراصل تمام عرب بادشاہوں، اور عالم اسلام کے سربراہوں کی طرف ہے اس میں انھوں نے غیر ملکیوں پر اعتماد کے نتائج سے آگاہ کیا ہے اور ان کے بجائے خدا پر اور اس کے بعد خود اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی دعوت دی ہے

وہ کہتے ہیں کہ اگر طناب تمہاری ہے تو جہاں چاہو اور جس وقت چاہو اپنا خیمہ گاڑ سکتے ہو اور ہر جگہ منزل بنا سکتے ہو، اور اگر وہ نہیں تو پھر مستعار لیکر تم آزادی کے ساتھ کوئی قدم نہیں بڑھا سکتے۔

وہ کہتے ہیں کہ ذرا اپنے کو پہچاننے کی کوشش کرو، اس روئے زمین پر تم کو وہ مقام حاصل ہے جس کی شام دوسروں کی سحر سے زیادہ آئینہ فام ہے۔

ترا اندر بیابانے مقام است
کہ شامش چوں سحر آئینہ فام است
بہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر
طناب از دیگراں جستن حرام است

بقیہ صـ۱۳ کا مضمون

دے دی تھی، اسی افغانستان میں جشن استقلال کے موقعہ پر پانچ لاکھ تماشائیوں کے ہجوم میں افغانستانی حسن و جمال کی دیویاں مسکراتی ہوئی حسین و جمیل تتلیوں کی طرح گھومتی پھرتی تھیں جنھیں غیر ملکی مشاہدین حیرت و استعجاب دیکھتے رہ جاتے تھے۔

آجکل کابل یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم جاری ہے اور نوجوان لڑکیاں پورے انداز غارت گری کے ساتھ یونیورسٹی کے لانوں اور پارکوں میں محو خرام نظر آتی ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے ہیں، وہ اپنی قدیم روایات کا استہزاء و تمسخر کے ساتھ ذکر کرتی ہیں، برقعہ، پردہ گھریلو زندگی اور مشرقی خیالات و افکار کا کھلے بندوں مذاق اڑاتی ہیں۔ یہ سب کچھ چند برسوں میں ہوا افغانستان نے جتنے ہی تشدد کا رویہ اختیار کیا مغربی تہذیب اتنی ہی تیز رفتاری کے ساتھ پھیلی اور بڑھی، اور آج اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے والوں کی آواز ترقی و روشن خیالی کے طوفان نگاہوں میں گم ہو کر رہ گئی۔!

قریب قریب یمن کا بھی یہی حال ہے' یہ یمن وہی ہے جو ابتدائے عہد رسالتؐ سے اپنی ایمانداری رقیق القلبی' دینی فہم و بصیرت کیلئے مشہور تھا، اسی یمن کے بارے میں ایک مغربی مصنف نے شہادت دی ہے کہ "نیا زمانہ یمن کے دروازے پر دستک دے رہا ہے" لیکن میرا خیال ہے کہ اسے داخلہ کی اجازت مل چکی ہے، کیونکہ مغربی تہذیب کی برکتیں یمن میں اترنی شروع ہو گئیں—— سامان تعیش کی فراوانی یمن کو عرب کا "باغ عدن" بنانے کی جدوجہد میں معروف ہے۔

مصنف نے یہ دو مثالیں اُن ملکوں کو پیش کی ہے جن کا مغربی تہذیب کے مقابلے میں منفی رویہ کہا جا سکتا ہے، ان کے علاوہ جزیرۃ العرب اور دوسرے بعض مسلم ممالک کا بھی اجمالی تذکرہ ہے جہاں مغربی تہذیب نے اپنا تسلط تو نہیں جمایا ہے لیکن پورا ملک بے چینیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے حریت و مساوات کا مغربی نعرہ قدیم طرز زندگی، مشرقی طریقۂ فکر اور اسلامی ماحول سے نفرت و بیزاری پیدا کر رہا ہے اونچی سوسائٹی میں اپنے قدیم طرز زندگی سے نفرت و حقارت کی داغ بیل پڑ چکی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ان مسلم ملکوں میں کبھی فوجی

(بقیہ صـ۱۱ پر)

از مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی

مسلمانوں کا زوال اور اسکے اسباب

آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد پچاس ساٹھ کروڑ کے درمیان ہے، اور ان کی بیس پچیس حکومتیں ہیں، اس کے باوجود ان کی کوئی آواز نہیں اور وہ ایک پس ماندہ قوم بنکر رہ گئے ہیں، ان کی حکومتوں تک میں کوئی جان باقی نہیں ہے، چنانچہ پوری عرب دنیا ملکر بھی، اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی دشمن اسرائیل کی چھوٹی سی ریاست کا مقابلہ نہیں کر سکتی، ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ سے اوپر ہے، لیکن ان کی کوئی حیثیت نہیں اس لئے کہ وہ زندگی کی اس قوت سے محروم ہیں جس کے بغیر انسانوں کی حیثیت جانوروں کے گلے و خس و خاشاک سے زیادہ نہیں جس کو ایک معمولی چنگاری جلا کر خاکستر کر سکتی ہے،

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

ایک مغالطہ کا ازالہ

مغربی قوموں کی تقلید اور اس کے فوائد کی سب سے بڑی دلیل یہ دیجاتی ہے کہ وہ مذہبی قیود سے آزادی اور مادی نظام حیات ہی کی بدولت بام عروج پر پہنچی ہیں اگر مذہب ترقی میں مانع نہ ہوتا تو مسلمان جو مغربی قوموں کے مقابلہ میں زیادہ مذہبی ہیں، کیوں پستی اور تنزل کا شکار ہوتے، لیکن یہ سراسر مغالطہ ہے، نہ مغربی قوموں نے محض مذہبی آزادی اور مادی تصور حیات کے بدولت ترقی کی اور نہ مسلمان مذہب کی پابندی سے تنزل میں مبتلا ہیں' اولاً یہی قابل بحث ہے کہ جس مادی ترقی کو دلیل میں پیش کیا جاتا ہے کیا وہ واقعی انسانیت کی صحیح اور متوازن ترقی ہے؟ اور اس سے انسانیت کی ضروریات اور اس کے مطالبات پورے ہو جاتے ہیں اور کیا واقعی مسلمان مذہب کے پابند ہیں؟

مغربی قوموں کی ترقی کے حقیقی اسباب

مغربی قوموں کی ترقی کا سبب محض مذہب سے آزادی اور مادی تصور حیات نہیں بلکہ قوموں کی موت و حیات اور ترقی و تنزل کے اصولوں پر ان کا عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بھی کچھ اصول مقرر کئے ہیں' جو قوم بھی ان پر عمل کرے گی وہ ضرور دنیا میں سربلندی حاصل کرے گی، خواہ وہ مومن ہو یا کافر، اور جو قوم ان کو چھوڑے گی خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو تنزل کا شکار رہے گی فطرت کے قوانین سب کے لئے یکساں ہیں' ان میں مومن و کافر کی تخصیص نہیں جس طرح صحت و تندرستی کے کچھ اصول و قوانین ہیں' جو بھی ان کی پابندی کرے گا وہ بیماری سے محفوظ اور تندرست رہے گا اور جو خلاف ورزی کریگا وہ امراض کا شکار رہے گا اور ہلاکت تک نوبت پہنچ جائے گی' خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم' یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک کافر صحت کے اصولوں کی پابندی کے باوجود محض اپنے کفر کی بناء پر تندرست نہ رہے اور ایک مومن ان اصولوں کی خلاف ورزی کے باوجود محض اسلام سے انتساب کی بناء پر امراض و ہلاکت سے محفوظ رہے یہی حال قوموں کی صحت اور توانائی اور بیماری اور ہلاکت کے اصولوں کا ہے۔

قوموں کی موت وحیات اور ترقی و تنزل کے عناصر

قوموں کی ترقی اور تنزل اور موت و حیات کے بہت سے عناصر ہیں مثلاً نصب العین کا تعین، ان کی صحت پر ایمان اور یقین حصول کی جد و جہد' اس کے لئے جانبازی' و جانفروشی' قومی وحدت' اجتماعی مفاد کے لئے ایثار و قربانی، ہمدردی و مواسات وغیرہ جن قوموں میں بھی یہ اوصاف ہوں گے وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گی خواہ وہ مومن ہوں یا کافر اگر اس معیار سے مسلمانوں اور مغربی قوموں کا موازنہ کیا جائے تو مسلمان ان کے مقابلہ میں ایچ نظر آئیں گے، مغربی قومیں اپنے بعض اخلاقی عیوب اور مادی تصور حیات کے باوجود ان اصولوں پر سختی سے عامل ہیں، انھوں نے اپنی زندگی کا نصب العین مادی ترقی سیاسی سربلندی اور دنیاوی عیش و تنعم کو بنالیا ہے' اور اس کے لئے ان کو مال کیا جان تک دیدینے میں باک نہیں ہوتا، یورپ کے بڑے بڑے فضلاء اور سائنسداں اس راہ میں اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں، جب قومی اور اجتماعی مفاد کا سوال آتا ہے تو ہر فرد اپنا پورا خاندان قومی مفاد کے لئے لٹا دیتا ہے، سلاطین اور امراء اپنے لڑکوں کو بلا تامل میدان جنگ میں بھیجدیتے ہیں، وہ مادی ترقی اور محدود قومی مفاد کے لئے جتنی قربانیاں کرتے ہیں، آج کے مسلمان تبلیغ دین و ملت کے لئے اتنی قربانی نہیں کر سکتے، انھوں نے اپنی زندگی کے لئے جو اصول بنا لئے ہیں ان پر سختی سے ان کا عمل ہے اور ان کی پابندی ان کی فطرت میں داخل ہوگئی ہے اس لئے ان کی ترقی کا سبب مذہب سے آزادی نہیں بلکہ مادی اور قومی ترقی کے اصولوں پر ان کا عمل ہے اور یہ بھی کلیۃً صحیح نہیں ہے کہ وہ مذہب سے مطلق آزاد ہیں، اس کی تفصیل آگے آتی ہے

محض مادی ترقی انسانیت کی ترقی نہیں ہے

لیکن یہ ترقی درحقیقت انسانیت کی نہیں بلکہ صرف مادی ترقی ہے، جس سے انسانیت کے مطالبات پورے نہیں ہوتے، انسانوں کی صرف مادی سروسامان ہی کی احتیاج نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کو اخلاق و روحانیت کی بھی ضرورت ہے، اس کے بغیر محض مادی طاقت انسان کو حیوان بنا دیتی ہے جو طاقت بھی اخلاق اور انسانیت کے اصولوں کی پابند نہ ہوگی وہ انسانیت کیلئے وبال جان بن جائے گی، اسی لئے آج مغربی قوموں کی ساری تحقیقیں اور علم و سائنس کی تمام ترقیاں انسانوں کے لئے سکون و راحت کا سامان فراہم کرنے سے زیادہ اس کی ہلاکت اور تباہی و بربادی کے سامان فراہم کرنے میں صرف ہو رہی ہیں، ان میں اقتدار اور سیاسی برتری کی ایک جنگ برپا ہے' ایسے ایسے اسلحے ایجاد ہو رہے ہیں کہ اگر ان کے استعمال کی نوبت آگئی تو عالم انسانیت کا خاتمہ یقینی ہے' اس ہلاکت آفرینی کو دیکھکر خود یورپ کے بڑے بڑے مفکرین مضطرب ہیں اور انسانیت کے نام پر اخلاق و روحانیت اور عالمگیر انسانی اخوت و ہمدردی کی صدا بلند کر رہے ہیں۔

اگر انسان نے فلک شگاف راکٹ ایجاد کر لئے چاند پر پہونچکر اپنا جھنڈا گاڑ دیا، بلکہ اس سے بھی اونچا اڑا تو اس سے مادی طاقت کے اظہار کے سوا کیا حاصل ہوا، انسانیت کی ترقی اور اس کی صحیح خدمت تو یہ ہوتی کہ اس ترقی کے ساتھ قوموں میں خداشناسی' اخلاق فاضلہ اور انسانی ہمدردی کے احساسات پیدا کئے جاتے، اس کے بغیر محض مادی طاقت ایک شتر بے مہار اور مست ہاتھی ہے جو انسانیت کو کچل کر رکھ دے گی اس لئے یہ ترقی درحقیقت انسانیت کی ترقی نہیں بلکہ صرف مہلک مادیت کی ترقی ہے۔

کیا مسلمان مذہب کے پابند ہیں؟

اب دوسرے سوال کو لیجئے

کیا واقعی مسلمان مذہب کے پابند ہیں، اور ان کی مذہبیت ہی ان کے تنزل اور پستی کا سبب ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں مذہب کے ظاہری رسوم کی پابندی زیادہ ہے لیکن وہ مذہب کی اصل روح یعنی اخلاص، خشیت الٰہی، رجوع الی اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ اور اس کے لئے ایثار و قربانی کے جذبہ سے خالی ہیں اور ان کی مذہبیت مذہب کا محض ظاہری خول ہے اس لئے اس سے وہ نتائج کیسے نکل سکتے ہیں جن کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور وہ اخلاق فاضلہ کیسے پیدا ہو سکتے ہیں جو دنیاوی سربلندی کے لئے ضروری ہیں۔

مسلمانوں نے مذہب کے ایک اہم پہلو یعنی قوموں کے عروج و زوال اور موت و حیات کے اصولوں کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔ اسلام محض روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ کا نام نہیں ہے، اور اس کے بھی کتنے مسلمان پابند ہیں بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور شوکت و عظمت کے لئے جد و جہد ایثار و قربانی انفاق فی سبیل اللہ، قومی وحدت، اسلامی اخوت اور اس قبیل کے دوسرے اصولوں کو بالکل فراموش کر دیا ہے، جو عبادات ہی کی طرح ضروری ہیں اور جن پر قوموں کی موت و حیات کا دارومدار ہے بلکہ جہاد یعنی اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے ہر قسم کی جانی و مالی قربانی افضل العبادات ہے، اس جد و جہد میں سائنسی علوم کی تحصیل، اس کی ایجادات و اختراعات، مضبوط نظام حکومت، فوجی قوت وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو موجودہ دور میں کسی قوم کی بقا و استحکام کے لئے ضروری ہیں، خود قرآن مجید اس پر شاہد ہے اور خلفائے راشدین کا اسی پر عمل رہا ہے۔ علم و فن کا درجہ اسلام میں بہت بلند ہے۔ کلام مجید کی جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ علم کی عظمت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

اسلام میں علم و سائنس کی اہمیت:-

اقرا باسم ربک	اپنے پروردگار کا نام لیکر
الذی خلق خلق	پڑھو جس نے مخلوقات کو پیدا
الانسان من علق	کیا آدمی کو گوشت کے لوتھڑے
اقرا و ربک الاکرم	سے بنایا، قرآن پڑھو اور
الذی علم بالقلم	تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے
علم الانسان	انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا
مالم یعلم	اور وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔

عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہے۔

هل یستوی الذین	کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو
یعلمون والذین	نہیں جانتے دونوں برابر ہیں
لا یعلمون (زمر)	(ایسا نہیں ہو سکتا)

بلکہ علماء اور اصحاب علم کا درجہ بلند ہے۔

یرفع اللہ الذین	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے
آمنوا منکم و	اور جنکو علم دیا گیا ہے اللہ ان
الذین اوتوا العلم	کے درجے کو بلند کرے گا۔
درجات (مجادلہ)	....

علم ہی کی ایک قسم حکمت ہے اور حکمت کو قرآن مجید میں خیر کثیر سے تعبیر کیا گیا ہے

یؤتی الحکمۃ	اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے
من یشاء ومن	حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت
یؤت الحکمۃ	دی گئی، اس نے بڑی دولت
فقد اوتی خیرا	پائی۔
کثیرا (بقرہ)	....

حکمت کے جو معنی بھی لئے جائیں اس میں علم و تجربہ اور عقل و دانش کی باتیں ضرور داخل ہوں گی،

دینی نقطۂ نظر سے دنیاوی علوم کی ضرورت:-

اس قسم کی اور بھی آیات ہیں جن سے علم و حکمت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، عام طور پر علم و حکمت سے مراد وحی الٰہی علم دین اور دین کی سمجھ لی جاتی ہے، لیکن اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، جب کہ اس کے الفاظ میں عموم ہے، یہ بلاشبہ صحیح ہے کہ سب سے مقدم دینی علوم اور تفقہ فی الدین ہے، اور ان کو دوسرے تمام علوم پر اولیت اور فضیلت حاصل ہے، لیکن دوسرے علوم خصوصاً ان علوم کو خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں جو دین کی خدمت اور اسلام اور مسلمانوں کی شوکت و عظمت کے قیام کے لئے اس زمانہ میں ضروری ہیں، اور جن کے بغیر کوئی قوم طاقتور نہیں ہو سکتی بلکہ زندہ نہیں رہ سکتی، خود قرآن مجید کی آیات اس پر شاہد ہیں کہ دنیاوی علوم نہ صرف دنیاوی طاقت کے حصول کے لئے ضروری بلکہ عرفان حق کے لئے بھی مفید ہیں، مثلاً کلام مجید میں جابجا کائنات کی تخلیق اس کے مظاہر آسمان و زمین، چاند، سورج، پہاڑ اور سمندر، بارش اور ہوا، زمین کی روئیدگی اور انسان کی خلقت پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ایک مومن کے عرفان کے لئے تو ان کی خلقت اور اس کے ظاہری فوائد ہی کافی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا کمال، اس کی صناعیاں اور حکم ایک محقق اور سائنٹسٹ پر زیادہ منکشف ہوتے ہیں، مثلاً ایک ظاہر بین کے لئے انسان کا ظاہری حسن و جمال اللہ تعالیٰ کے کمال تخلیق کے ثبوت کیلئے کافی ہے، لیکن تشریح الاعضاء کے ماہر ڈاکٹروں کو انسانی جسم کے ہر عضو میں اللہ تعالیٰ کی بے نظیر صناعی کی ایک پوری کائنات نظر آتی ہے اسی طریقہ سے آسمان کی رفعت ستاروں کی گردش، آفتاب کی حرارت اور روشنی چاند کی ٹھنڈی چاندنی کو ایک عامی بھی دیکھتا اور خدا کی قدرت کو محسوس کرتا ہے، لیکن ایک ہیئت داں کو خلا کی لامحدود وسعتوں، سیاروں کے عظیم الشان نظام اور محیر العقول عجائبات میں خدا کی حقیقی عظمت اور اس کا جلال نظر آتا ہے اور اس کا دل پکار اٹھتا ہے کہ ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحانک ربنا فقنا عذاب النار، امام غزالی کا مقولہ ہے کہ جو شخص ہیئت سے واقف نہیں وہ معرفت الٰہی میں عنین ہے، اس لئے سائنسی علوم عرفان حق کے لئے بھی مفید ہیں۔

خلافت ارضی کے لئے مادی طاقت ضروری ہے

اس مسئلہ کو ایک دوسرے پہلو سے بھی دیکھئے، حکومت اور دنیاوی اقتدار کے لئے خود قرآن مجید نے علم کی طاقت اور مادی قوت کو ضروری قرار دیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل نے اس وقت کے موجود پیغمبر سے کسی کو بادشاہ بنانے کی درخواست کی تو انھوں نے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا بنی اسرائیل نے عذر کیا کہ ان کے پاس مال و دولت نہیں ہے، وہ ہم پر کس طرح حکومت کر سکتے ہیں، ہم ان کے مقابلہ میں حکومت کے زیادہ اہل ہیں، پیغمبر نے طالوت کے استحقاق حکومت کی یہ دلیل دی۔

ان اللہ اصطفاہ علیکم	اللہ نے تم پر طالوت
وزادہ بسطۃ فی	کو بادشاہ مقرر کیا اور علم
العلم والجسم،	اور جسم میں زیادہ وسعت عطا کی

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت و اقتدار کے لئے علم کی قوت اور جسمانی یا مادی طاقت ضروری ہیں اس طرح مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے حکم دیا گیا۔

واعدوا لهم ما	اپنے دشمنوں کے مقابلہ کیلئے
استطعتم من قوۃ	جتنی قوت اور پلے ہوئے
ومن رباط الخیل	گھوڑے جمع کر سکتے ہو ان
ترهبون به عدو اللہ	سے پوری طرح تیار ہو تاکہ
وعدوکم وآخرین	ان کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے
من دونهم	دشمنوں اور ان کے علاوہ،
(انفال)	دوسروں پر اپنی دھاک بٹھا سکو،

یہ آیات اس کا ثبوت ہیں کہ اس زمانہ میں حکومت کے استحکام اور دشمنوں کے مقابلہ کے لئے جس قسم کی قوت کی ضرورت تھی اس کی تیاری کا حکم دیا گیا تھا، اور اس زمانہ میں جس قسم کی طاقت کی ضرورت ہے، اس کے لئے بھی وہی حکم ہے، اور اس میں علم و سائنس کی ایجادات، فوجی قوت اور ہر قسم کے جدید اسلحہ سب داخل ہیں، اور ان کے لئے مغربی علوم خصوصاً سائنس کی تحصیل اور اس میں کمال پیدا کرنا ضروری ہے،

مسلمانوں کی علم دوستی اور خدمت علم

مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ انھوں نے اپنے دور عروج میں دوسری قوموں کے علوم سے پورا استفادہ کیا، ان کو ترقی دی، سینکڑوں نئے علوم ایجاد کئے، اور علمی میدان میں پوری دنیا کی امامت کی، اگر اس زمانہ میں انھوں نے علم کا پایہ نہ سنبھالا ہوتا تو بہت سے پرانے علوم جن پر موجودہ علمی ترقی کی بنیاد قائم ہے، مٹ گئے ہوتے اور آج دنیا علم کی روشنی سے محروم رہتی، انہی نے مغربی قوموں کو یونانی علوم سے آشنا کیا، طب، فلسفہ، ہیئت، ریاضیات وغیرہ میں مسلمانوں کی تصانیف کے لاطینی تراجم صدیوں تک یورپ کے یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل رہے، یورپ کی نشاۃ ثانیہ انہی کی رہین منت ہے، انہی علوم کی بنیاد پر اس نے علوم و فنون کا عظیم الشان قصر تعمیر کیا، اس لئے مفید علوم کی تحصیل اور ان کی خدمت و اشاعت خواہ وہ کسی قوم کے ہوں، مسلمانوں کا خاص ورثہ رہا ہے، جدید علوم خصوصاً سائنسی فنون کی تحصیل نہ صرف مسلمانوں کی دنیاوی ترقی اور سیاسی استحکام کیلئے ضروری ہیں بلکہ ان کے بغیر اس زمانہ میں دین کی پوری خدمت بھی نہیں ہو سکتی، لیکن اس بارہ میں نقطۂ نظر بدلنے کی ضرورت ہے، علم و سائنس کی قوت کے لئے اخلاقی حدود کی پابندی ضروری ہے، اس کا مقصد انسانیت کی فلاح و سعادت ہونا چاہئے، محض مادی طاقت کا حصول سیاسی اقتدار قومی افتخار اور سربلندی اور سامان تعیش کی فراہمی نہیں اگر سائنسی علوم کو صحیح مقصد کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ سراسر خیر ہیں ورنہ سراپا شر، مولانا روم آج سے صدیوں پہلے کہہ گئے۔

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

اور اس کے لئے سب سے مقدم شرط خدا شناسی خشیت الٰہی اور مواخذہ کا خوف ہے، اس کے بغیر یہ دیوتا بوتل میں نہیں آ سکتا۔

مغربی قوموں اور مغربی تہذیب کی خوبیاں

مغربی قومیں اور ان کی تہذیب محض برائیوں کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس میں قابل تقلید خوبیاں بھی ہیں، ان کی مادہ پرستی کے باوجود ان میں مذہب کا بھی اثر باقی ہے، چرچ اور مشنری کا پورا نظام قائم ہے، جس پر حکومتیں کروڑوں روپے صرف کرتی ہیں، مذہب کی تبلیغ، اخلاقی و روحانی تعلیم و تربیت اور رفاہ عام کے کاموں اور انسانوں کی خدمت کے سینکڑوں ادارے قائم ہیں، عیسائی مبلغین اخلاق و انسانیت کا پیکر ہوتے ہیں، اور انسانی ہمدردی اور انسانیت کی خدمت میں کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت سی چیزوں میں مذہب کی روح اور اس کے مقصد پر ہم سے زیادہ ان کا عمل ہے، ان کی دوسری نمایاں خوبی ان کی اصول پرستی اور ان کا ضبط و نظم ہے جو ان کی سرشت میں داخل ہے، سیاست کو چھوڑ کر جس میں وہ چنگیز و ہلاکو بن جاتے ہیں، عام زندگی میں اخلاقی اوصاف میں ان کا قدم مسلمانوں سے بہت آگے ہے۔

مغربی تہذیب کی سب سے بڑی خرابی

مغربی قومیں اور ان کی تہذیب کی سب سے بڑی خرابی جس نے ان کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے ان کا مادی تصور حیات ہے، اس کی بنیاد تمام تر مادیت اور لادینیت پر ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کا اثر ہر شعبۂ زندگی میں نمایاں ہے، ایک طرف مذہب کا پورا انتظام قائم ہے دوسری طرف مادی ترقی اور عیش و تنعم مقصد زندگی بن گیا ہے، اور مغرب کی تمام قومیں عیش و تنعم کی سرمستی میں اور حکومتیں مادی ترقی، سیاسی اقتدار اور قومی برتری کے جنون میں مبتلا ہیں، سیاست میں دین و اخلاق کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہ گئی ہے اور عیش پرستی حد سے گزر کر بد مستی تک پہونچ گئی ہے، اس کے نتائج سے خود یورپ کا سنجیدہ طبقہ اور بڑے بڑے مفکر جن میں اخلاقی احساس باقی ہے مضطرب ہیں اور اس کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔

مسلمانوں نے صرف ان کی برائیوں کی تقلید کی

مسلمانوں نے مغربی تہذیب کی تقلید بھی کی تو ان کی برائیوں میں، مغربی قوموں کے اچھے اوصاف اور کمالات میں ان کی تقلید کی توفیق ان کو بہت کم ہوئی، زیادہ تر ان کے عیوب اور ان کی برائیاں ان کے حصہ میں آئیں اس لئے وہ ان دنیاوی فوائد سے بھی محروم رہے جو مغربی قوموں کے اوصاف کا نتیجہ ہیں، اس طرح دین بھی ان کے ہاتھ سے گیا اور دنیا بھی ان کو حاصل نہ ہوئی، مسلمانوں کے اپنے عقائد و تصورات ہیں، اپنا نظام حیات ہے اپنی تہذیب و روایات ہیں، ان کی زندگی کا خاص نصب العین اور مقصد حیات ہے اس کے مطالبات اور ذمہ داریاں ہیں، اگر وہ ان سب کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھل کر مادی ترقی کے اوج کمال پر بھی پہونچ گئے تو وہ خیر امت کہاں باقی رہی جن کو نیابت الٰہی اور اقوام عالم کی ہدایت و رہنمائی کا منصب سپرد کیا گیا تھا، اس کے بجائے وہ خود انہی کی برائیوں میں مبتلا ہو کر دوسری مادہ پرست قوموں کی طرح ایک قوم بن گئے، جن کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔

مسلمانوں کا منصب اور اس کی ذمہ داری

ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آج پوری دنیا ہدایت الٰہی کو فراموش اور انسانیت کا اصل مقام کھو چکی ہے ہر قوم مادیت کے سیلاب میں غرق اور مادی ترقی کے جنون میں مبتلا ہے، مسلمان بھی اسی سیلاب میں بہے چلے جا رہے ہیں، حالانکہ وہ خیر امت ہیں، جن کو اقوام عالم کی ہدایت کا منصب سپرد کیا گیا تھا۔

کنتم خیر امۃ	لوگوں کی رہنمائی کے لئے
اخرجت للناس	جس قدر امتیں پیدا کی گئیں
تأمرون بالمعروف	ان میں تم سب سے بہتر ہو کہ اچھے
وتنهون عن المنکر	کام کرنے کا حکم دیتے ہو اور
وتؤمنون باللہ۔	برے کاموں سے روکتے ہو اور
(آل عمران)	اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وہ اس منصب کو فراموش کر کے

"او خویشتن گم است کرا رہبری کند"

کا مصداق بن گئے ہیں لیکن اب بھی من حیث القوم ان کا تصور حیات نہیں بدلا ہے اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کا سرچشمہ قرآن مجید اپنی اصل شکل میں موجود ہے، اس لئے اس بجھے ہوئے خاکستر میں بھی ابھی چنگاریاں باقی ہیں اس لئے آج بھی ان پر حق کا پیغام پہنچانے کی سب سے زیادہ ذمہ داری ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے عمل سے خیر امت ہونے کا ثبوت دیں، اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان کی حرارت، ان کے ہاتھوں میں ہدایت الٰہی کی مشعل، ان کے اعمال و اخلاق میں اسلام کی تصویر، ان کی نگاہ میں حقیقت بینی اور ان کے بازوؤں میں علم و سائنس کی طاقت ہو، اس وقت دنیا ان کی طرف توجہ کرنے اور

ان کی باتیں سننے پر مجبور ہوگی، ورنہ محض کھوکھلی نقالی سے خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے اور ان کی داستان تک بھی نہ ہوگی، داستانوں میں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات کا حل | ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مادیت اور لادینیت کے علاوہ ایک بڑا خطرہ اکثریت میں ضم ہو جانے یا کم سے کم ان کی تہذیب کے رنگ میں رنگ جانیکا ہے گو ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور مسلمانوں کو بھی دستور میں وہی حقوق حاصل ہیں جو دوسری قوموں کے ہیں، لیکن جمہوریت میں اقتدار ہمیشہ اکثریت کے ہاتھوں میں رہتا ہے اور اس کی فطرت جارحانہ ہوتی ہے، ہر اکثریت اقلیت کو اپنے میں ضم یا کم سے کم اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتی ہے، جس کی کوشش ہندوستان میں بھی جاری ہے، اس سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ اپنے دلوں میں ایمان کی حرارت اور عمل میں اسلامی کردار پیدا کریں، ایک طرف ان کے ایمان میں اتنا رسوخ اور دین میں اس قدر صلابت ہو کہ وہ کسی ایسے اثر کو قبول نہ کریں جو ان کے مذہب اور ان کی تہذیب و روایات کے خلاف ہو، دوسری طرف اپنے اعمال و اخلاق سے اوروں کو تسخیر کریں اور ہندوستان کی تعمیر میں ایسا موثر حصہ لیں کہ دوسری ان کی اہمیت ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

ہندوستان کو مسلمانوں نے محض تلوار کے ذریعہ فتح نہیں کیا تھا ورنہ اتنی طویل مدت تک ان کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی تھی بلکہ انھوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا اور ہندوستانیوں کے دلوں پر اپنے عدل مساوات اور ملک کی محبت و خدمت کا سکہ جمایا اور اپنی ساری دماغی و ذہنی صلاحیتیں ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں صرف کر دیں، مختلف ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہندوستان کو جو ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے، متحدہ ملک اور علم و فن، تہذیب و تمدن، ہر لحاظ سے اس صحرا کو گلشن بنا دیا، اسلام کی تازہ دم قوت نے ہندوستان کی مردہ رگوں میں ایک نئی روح پھونکی، اسکو توحید خالص سے آشنا کیا، انسانی مساوات کا سبق دیا، بوسیدہ رسوم و روایات اور اوہام و خرافات سے آزاد کر کے حقیقت شناس بنایا، اسلام کے اثر سے ہندو مذہب اور ہندو معاشرہ میں تجدید و اصلاح ہوئی، مسلمانوں نے ہندوستانی علوم سے جسقدر استفادہ کیا اس سے زیادہ ان کی خدمت کی، ان کو پنڈتوں کے سینوں اور ہندوستان کی چہار دیواری سے نکال کر دنیا میں ان کا تعارف کرایا، نئے علوم سکھائے، ہر شعبۂ زندگی میں نفاست اور ایک ایسی مشترک تہذیب پیدا کی جو اپنے حسن و لطافت اور خوبی و پاکیزگی میں مشرق کی تہذیبوں میں امتیازی درجہ رکھتی ہے

مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام میں آج بھی رہنمائی کی طاقت ہے اور وہ دنیا کو بہت کچھ دے سکتا ہے، ان کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے مگر آج اس کے وہ نتائج نہیں نکلتے جو اس سے پہلے نکل چکے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حاملین اسلام خود اسلام کے محاسن سے دامن ہو چکے ہیں، اسلئے وہ دوسروں پر کیا اثر انداز ہو سکتے ہیں، ان کے اسلاف اپنے عمل سے اسلام کی تصویر پیش کرتے تھے اس کو دیکھ کر دوسری قومیں اس کی طرف کھنچتی تھیں، اگر سلاطین تلوار سے ملک کو فتح کرتے تو اپنے عدل و مساوات سے اسکو مسخر کرتے تھے، مبلغین اسلام اور صوفیائے کرام اپنے اخلاق و کردار سے دلوں کو تسخیر کرتے تھے، مختلف اصناف کے اصحاب علم و کمال اپنے علوم و کمالات اور اپنی تخلیقی قوت اور تعمیری صلاحیتوں سے ملک کو سنوارتے تھے اس لئے مفتوحہ قومیں ان کی قابلیت اور ضرورت ماننے پر مجبور ہو جاتی تھیں اگر آج بھی مسلمان اسی کا عملی نمونہ پیش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے وہی نتائج نہ نکلیں جو اس سے پہلے نکل چکے ہیں، ورنہ محض زبانی دعویٰ دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتا۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں دینی صلابت و پختگی نہ ہوگی تو وہ رفتہ رفتہ اکثریت میں ضم ہو جائیں گے اور اگر وہ ہندوستان میں اجنبی بنکر رہے اپنے عمل و کردار سے دلوں کو مائل نہ کیا، اور ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں حصہ نہ لیا تو ملک کا اعتماد حاصل نہ کر سکیں گے اور احساس کمتری کا شکار ہو کر پسماندہ قوم بن کر رہ جائیں گے۔

غزل

رئیس شاکری بارہ بنکوی

بیگانوں سے ہیں شرمندہ نہ بیگانوں سے شرمندہ
دو روزہ زندگی ہے تیرے احسانوں سے شرمندہ

نظام زندگی بدلا ہے ہم ہی بادہ خواروں نے
ہوا ہے جام جم بھی ٹوٹے پیمانوں سے شرمندہ

مقام شرم ہے ایمان کے سچے پرستارو!
کہ اہل دیر ہوں کعبہ کے افسانوں سے شرمندہ

مرے زاہد معاف کرنا میں حقیقت عرض کرتا ہوں
ہے ایماں آجکل تسبیح کے دانوں سے شرمندہ

وہ انساں کوئی انساں ہے جو اوروں کے نہ کام آئے
ہے خود انسانیت بھی ایسے انسانوں سے شرمندہ

جنون عشق میں وہ امتیازی شان پائی ہے
خرد والے ہوئے ہیں تیرے دیوانوں سے شرمندہ

بہار آتے ہی گلشن میں چلے یوں جانب صحرا
ہو روح قیس بھی ہم چاک دامانوں سے شرمندہ

نہ پوری ہو سکی دل میں تمنا جو بھی ابھری ہے
رئیسؔ اکثر ہوا ہے اپنے ارمانوں سے شرمندہ

....

اعلان

ہر قسم کی خط و کتابت و ترسیل زر کے موقع پر اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

"مینجر"

اسلام میں زمین کی ملکیت اور اسکے کرایہ کا

مسئلہ

محمد المنتصر الکتانی .... ترجمہ و تلخیص .... محمد تسخیر الحسن صدیقی ندوی

اس مسئلہ پر قرآن کریم کا ارشاد تو یہ ہے

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا	بیشک زمین اللہ کی ہے
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ	وہ اپنے بندوں میں سے
وَالْعَاقِبَةُ	جسکو بھی چاہتا ہے وارث
لِلْمُتَّقِيْنَ [1]	بناتا ہے اور انجام متقین کے لئے ہے۔

ایک دوسری آیت میں اس کی اور وضاحت فرما دی۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا	ہم نے زبور میں ذکر کے
فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ	بعد لکھدیا ہے کہ زمین
بَعْدِ الذِّكْرِ	کے وارث میرے صالح
اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا	بندے ہوں گے، بیشک
عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ	اس میں مطلب کو پہنچانا
اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا	ہے عبادت کرنیوالی
لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ [2]	قوم کو۔

ان دونوں آیتوں کو بغور پڑھنے سے ذہن میں حسب ذیل سوالات ابھرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے کون بندے ہوں گے جنکے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔؟

۲۔ وہ نیک لوگ کون ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی زمین کے وارث ہوں گے اور جن کا تذکرہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے زبور میں کیا ہے۔؟

۳۔ ان نیک لوگوں کی صفات کیا ہونگی؟

---

[1] سورۂ اعراف، آیت ۱۲۸۔
[2] سورۃ الانبیاء ۱۰۶ ایضاً: عابدین سے امت محمدیہ مراد ہے۔ تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۳۴۹ ذکر سے قرآن مجید مراد ہے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰

جو زمین کو قابل کاشت بنائے وہی اسکا وارث ہے

جو لوگ زمین کو درست رکھتے ہیں، شریعت اسلامی نے ان کی دو قسمیں کی ہیں۔

۱۔ افراد یعنی فرد واحد کسی زمین سے فائدہ اٹھانے کا مختار رکھے اور وہ اس کا مالک بھی ہو۔

۲۔ جماعت، بہت سے لوگ کسی زمین سے نفع اندوزی کا تو حق رکھتے ہوں، لیکن وہ اس کے مالک نہ ہوں۔

فرد واحد کی کسی زمین سے نفع اندوزی اور ملکیت کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ وہ زمین جہاں کے رہنے والوں نے اسلام قبول کیا ہو۔

۲۔ ارض صلح۔

۳۔ بنجر زمین۔

۴۔ غیر مستعمل زمین۔

ان چاروں قسموں پر اب ہم کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

(۱) وہ زمین جہاں کے رہنے والوں نے اسلام قبول کیا ہو۔

ہر وہ زمین جس کے باشندوں نے اسلام قبول کیا ہو وہ اپنی زمین کے مالک ہیں۔ اور اس سے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں، کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین، نیز فقہائے اسلام نے اسی پر عمل کیا ہے۔ پھر جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حسب ذیل ارشاد بھی موجود ہے

اِذَا اَسْلَمَ الرَّجُلُ	جب آدمی اسلام لے آئے
فَهُوَ اَحَقُّ بِاَرْضِهٖ	تو وہ اپنی زمین اور اپنے
وَمَالِهٖ: (۱)	مال کا زیادہ مستحق ہے،

ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا۔

اِنَّ الْقَوْمَ اِذَا اَسْلَمُوْا	جب قوم اسلام لے آئے
اَحْرَزُوْا دِمَاءَهُمْ	تو اس نے خون اور اپنے
وَاَمْوَالَهُمْ (۲)	مال کو محفوظ کر لیا۔

امام یوسف رہ ہارون رشید کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سألت يا امير المؤمنين	آپ نے اے امیر المومنین
عن قوم من	اہل حرب کی ایک قوم کے
اهل الحرب	بارے میں سوال کیا ہے
اسلموا على انفسهم	جو اپنی زمین پر اسلام
واراضيهم ما	لائے ہیں کہ ان کے بارے
الحكم في ذالك	میں کیا حکم ہے؟ پس
فان دماءهم	بیشک ان کا خون حرام ہے
حرام وما اسلموا	اور ان کا مال جس پر وہ
عليه من اموالهم	اسلام لائے ہیں ان کے
فلهم وكذالك ارضوهم	لئے ہے اور اسی طرح
لهم. وكذالك	ہر وہ ملک کہ اسکے رہنے
كل بلاد اسلم عليها	والے اسلام لائے ہوں
اهلها فهي لهم وما	پس وہ ان کے لئے ہے
فيها (۳)	اور جو کچھ اسمیں ہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے مسئلہ کی نوعیت واضح ہو کر سامنے آگئی کہ ایسی زمین صرف انہیں کی ہے جن کی پہلے تھی۔

۲. ارض صلح

مسلمانوں نے کسی ملک یا کسی شہر پر حملہ کیا لیکن جنگ چھڑنے سے قبل وہاں کے باشندوں نے ہتھیار رکھدیئے اور صلح کی درخواست کی، مسلمان اس پر راضی ہو گئے اور صلح کے ذریعہ اس پر قابض ہو گئے، ایسی زمین یا ایسا ملک ارض صلح کہلائے گا۔

اس قسم کی زمین کے بارے میں حکم یہ ہے کہ زمین کی ملکیت مسلمانوں کے درمیان مشترک ہوگی اور نفع کا حق صاحب زمین کو ہوگا[1]

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس زمین پر خراج نہیں ہوگا، کیونکہ خراج صرف اسی ......

بقیہ صفحہ ۱۶ پر

---

[1] کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۸۲ [2] اخرجہ احمد ۴۴

[1] کتاب الاموال ص ۵۵

(۲) فی مسند ۱۲ ... (۲) ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس کی تخریج کی ہے۔ (۳) کتاب الخراج ص ۲۷ — ۶۵-

یورپ جانیوالے طلبہ کے نام

علی طنطاوی[1] ـــ ترجمہ ـــ محسن عثمانی ندوی

حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

جب تم دیار عرب اور اپنے عزیزوں سے رخصت ہو کر پیرس اعلیٰ تعلیم کے لیے جا رہے تھے تو میں نے ایک بیش قیمت سوغات سفر تمہارے حوالے کی تھی۔ یہ بیش قیمت سوغات زمین کی کان اور سمندر سے نکلی ہوئی متاع گراں بہا نہ تھی بلکہ یہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی نصیحت تھی، میں تمہارے اس سفر سے تردد اور اندیشہ محسوس کر رہا تھا کیونکہ تم نے جس ملک اور جس شہر کو اپنا منزل مقصود بنایا تھا، وہاں عفت و عصمت پاک دامنی و پاکیزگی اور ناموس حیا کے رہزن بستے ہیں۔ خدا تمہیں حفاظت اور سلامتی کے ساتھ واپس لائے۔

"بسلامت روی و باز آئی"

میرے عزیز میں جانتا ہوں کہ تمہارے اندر دین کی حمیت اور اسلام کی غیرت موجود ہے، لیکن ابھی تم نوجوان ہو، تمہارے تجربے محدود ہیں اور انسانی مزاج کا تمہیں علم نہیں، عام طور سے لوگ سیماب وشی اور تلون مزاجی میں مبتلا ہوتے ہیں ایک سوسائٹی سے دوسری سوسائٹی میں چلے جانے کے بعد وہ اپنی سابقہ روش اور طریق زندگی کو باقی نہیں رکھ پاتے ہیں، اپنے پہلے مسلک حیات کو بیکار اور بوسیدہ سمجھ کر خیرباد کہہ دیتے ہیں اور نئے فیشن کے دلدادہ بن جاتے ہیں ہیں۔ اپنی تہذیب اور اخلاق کی روایت سے بغاوت کر بیٹھتے ہیں۔ انسان کا حال اس نوزائدہ پودے کی مانند ہے جو زمین سے اگتا ہے، نشو و نما پاتا ہے اور سربلند ہوتا ہے پھر اگر اسے اکھاڑ کر کسی دوسری جگہ پر لگا دیا جاتا ہے تو اگر اللہ نے اسے قوت اور رسوخ کی صلاحیت سے نہیں نوازا ہے تو وہ سوکھ جاتا ہے اور اسکی سرسبزی اور شادابی ختم ہو جاتی ہے نئے ماحول اور جدید سوسائٹی میں آ جانے کے بعد خیالات اور رجحانات آہستہ آہستہ بدلنے لگتے ہیں، تبدیلی کا احساس ممکن ہے، شروع میں نہ ہو بعض امراض آہستگی اور خاموشی کے ساتھ جسم انسانی میں پروان چڑھتے ہیں لیکن ان کا شعور و ادراک اس وقت ہوتا ہے جب صحت اور توانائی جواب دے جاتی ہے انسان رفتہ رفتہ ایک بے جان لیکن متحرک لاشہ بن جاتا ہے۔

جب کوئی شخص کسی اسلامی ملک سے منتقل ہو کر لندن، پیرس، نیویارک یا مغربی تہذیب کی کسی آماجگاہ میں چلا جائے گا تو اسے وہاں زندگی کا ایک نیا رنگ نظر آئے گا اور ایسی آزادی نظر آئے گی جو مذہب و شریعت کے قید و بند اور اخلاق کے حدود و قیود سے بے پروا ہو گی۔ مذہب اور اخلاق کی وہ برتر قدریں جو اس کی زندگی اور معاشرہ میں مرکزیت رکھتی ہوں گی، مغربی سوسائٹی میں بالکل مفقود ہوں گی فحش گانوں کا سیل ترنم فردوس گوش نغمہ بنکر دل کو لبھانے لگا کہیں بے حیائی کے منظر جنت نگاہ جلوے بنکر بے حیائی پر آمادہ کریں گے، حسن و شباب کی رنگینیاں اور سرمستیاں دام تزویر میں گرفتار کرنے کے لئے جلوہ ساماں ہوں گی، ایسے ماحول میں یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ اس کا دامن عصمت لوث گناہ سے آلودہ ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ کسی زاہد شخص کے لیے بھی ایسی زہد شکن سوسائٹی میں پاکدامنی کے دامن سے وابستہ رہنا آسان نہیں ہے چہ جائیکہ وہ عام افراد میں سے کوئی فرد ہو۔ ممکن ہے کوئی ایسا شخص ہو جس کا ایمان نسبتاً دوسروں سے زیادہ مضبوط ہو اور وہ فسق و فجور میں بالکل مبتلا نہ ہو لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس سوسائٹی کے اثر سے بالکل پاک ہو، جب وہ زیادہ عرصہ تک وہاں کی بے قید زندگی اور آزادانہ ماحول میں رہ کر واپس آئے گا تو اسے یہاں بے حیائی اور بے حجابی نظر نہ آئے گی اور اسے ایک طرح کی گھٹن محسوس ہو گی۔

میں اپنی آپ بیتی تمہیں سناتا ہوں ۱۹۱۸ء میں پہلی بار میں مصر گیا اس وقت میں تمہاری عمر کا تھا، مصر کے پایہ تخت قاہرہ کو بے حیائی اور عریانی میں اس وقت پیرس سے کوئی نسبت نہ تھی لیکن یہاں کے دوسرے شہروں کے مقابلہ میں یہاں آزاد منشی اور بے حجابی زیادہ تھی، میری وہاں کی زندگی دوسروں کے لئے قابل رشک تھی اور میں وہاں کم سخن، کم آمیز اور دیدہ آشنا مشہور تھا، وہاں میرا نہ کوئی نگراں تھا نہ اتالیق نہ زبردستی کا احساس تھا نہ باز پرسی کا خوف لیکن اس کے باوجود میں وہاں فتنہ آشوب ماحول سے کنارہ کش رہتا تھا، جب میں ایک عرصہ کے بعد دمشق واپس آیا تو گمان تھا کہ میں ذرہ برابر بھی وہاں کی گمراہ کن سوسائٹی سے متاثر نہیں ہوا لیکن اب احتساب اور نفس کے تجزیہ کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ گمان محض خود فریبی پر مبنی تھا درحقیقت میرا ذہن غیر شعوری طور پر اس سے متاثر ہو چکا تھا

تم جس شہر میں ہو وہاں قدم قدم پر فتنے ہیں، نغموں کے زیر و بم ہیں، زلفوں کے پیچ و خم ہیں، جتنی حیا ریز اور اخلاق سوز حرکتیں ہیں وہ سب تہذیب کے لوازمات میں داخل ہیں، وہاں پر علانیہ فسق و فجور کا بازار گرم ہوتا ہے، محرمات و فواحش کی شب و روز فتنہ سامانی ہوتی ہے ایسی جگہ پر گناہ سے بچنا اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرنا بہت مشکل ہے ایسے ماحول میں صرف پیغمبرانہ ایمان یقین محکم اور زبردست قوت ارادی سے زندگی بے داغ رہ سکتی ہے۔

اب مغربی تہذیب کا سیل بلا خیز ہر جگہ پہونچ چکا ہے، پچاس برس پیشتر ہمارے یہاں اگر کسی غیر محرم مرد کی نگاہ کسی عورت پر پڑ جاتی تھی تو وہ فرط شرم سے بے چین ہو جاتی تھی۔ لیکن اب عورتیں

[1] علی طنطاوی دنیائے عرب کے صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز ہیں، نئی نسلوں کو اسلام کا شیدائی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس مکتوب میں بھی اسی جذبہ کی جھلک موجود ہے ـــ!

مردوں کے دوش بدوش شاہراہوں، تفریح گاہوں اور ہوٹلوں میں نظر آتی ہیں۔ پہلے کوئی شخص یہ گوارا نہیں کرتا تھا کہ اس کی شریک حیات کسی اجنبی کی طرف نظر کرے یا کوئی اجنبی اس کی طرف نگاہ اٹھائے، لیکن اب لوگ اپنی بے پردہ بیویوں کے ساتھ ہر جگہ گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں اور نوبت بایں جا رسید کہ والدین اپنی بیٹیوں کو سب دوستوں کے ساتھ ہر جگہ آزادانہ اختلاط اور آمد و رفت کی اجازت دیتے ہیں بعض گھروں میں لڑکیاں اپنے دوستوں کے ساتھ رقص کرتی ہیں، عریاں اور شرمناک رقص۔ والدین اس رقص بے حجابا کو دیکھ کر خوش ہوتے اور مفتخر ہیں نہ لڑکیوں میں شرم و حیا اور انکار ہے، نہ عزیز و اقارب کی جانب سے غیظ و غضب کا اظہار اور نہ عوام کی طرف سے واویلا اور چیخ و پکار۔

نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگ جہاں
دور گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید

غم و افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ مہلک وبا ہمارے بہت سے شرفاء و صلحاء کے گھروں میں بھی داخل ہو چکی ہے، شروع میں رخ پر سے نقاب اٹھا، گردن بالوں کی بے ستری کی نوبت آئی پھر بازو پنڈلی اور سینہ کی عریانی کی باری آئی ـــ غیر محرم عزیزوں کے ساتھ راہ و رسم اور بے تکلفی پیدا ہوئی، پھر ان کے ساتھ سفر میں بھی آمد و رفت ہونے لگی، سفر و حضر خلوت و جلوت ہر جگہ میل جول اور آزادانہ اختلاط شروع ہوا اور مرحلہ بہ مرحلہ اس کا انجام اور ڈراپ سین گناہ اور فسق و فجور پر ختم ہوا،

پردہ اٹھنے کی منتظر تھی نگاہ

مذکورہ بالا تمام برائیاں ہمارے ملک اور معاشرہ میں نمودار ہو چکی ہیں اور نئی نسل کے لئے خطرہ کا سبب بن چکی ہیں لیکن کسی فرد کا مغربی ملک میں چلا جانا سب سے زیادہ خطرہ کی بات ہے، خصوصاً جبکہ وہ جوان ہو، کسی نوجوان شخص کے لئے جس کے خون میں آگ کی سی حدت اور حرارت اور جذبات میں سمندر کا سا تلاطم اور ہیجان ہو، قد و گیسو کی آزمائش اکثر و بیشتر زر و سیم کی آزمائش سے بھی زیادہ سخت ہو جاتی ہے، جب گرہ میں مال ہو، اور ذوق نظارہ جمال ہو، اور پھر ہر وقت تسکین کا سامان بھی موجود ہو تو پھر عام نوجوان شخص کیلئے گناہ کا شکار ہو جانا یقینی امر ہے۔

نوجوان شخص کے لئے تنہا یورپ جانا خطرے خالی نہیں ہے، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ لوگ گھروں پر تو اپنے بچوں کو پاکدامنی اور پاکیزگی کا درس دیتے ہیں، عورتوں کے فتنے سے بچاتے ہیں، اور پھر انھیں ایسی سرزمین میں بھیجدیتے ہیں جہاں ہر شئے مباح ہے نہ موانع درپیش ہیں، نہ مذہب کی دار و گیر ہے، اگر والدین کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے لخت جگر کو ایسے شہر میں بھیج رہے ہیں جہاں کوئی ہولناک وبا پھوٹ پڑی ہے تو فوراً بھیجنے سے باز آ جائیں گے لیکن وہ اپنی اولاد کو تعلیم دینے کیلئے ایسے ملک میں بھیجتے ہیں جہاں ان کے دین و ایمان کے لئے خطرہ درپیش ہے اور جہاں کے نوے فی صد باشندے اخلاقی امراض میں گرفتار رہتے ہیں۔

انسان باقتضائے بشریت راحت طلب اور تن آسان واقع ہوا ہے، معاصی کی طرف زیادہ گرتا ہے اور زہد و اطاعت کی بلندیوں کی طرف چڑھنا اس کے لئے دشوار ہے، ندی فراز کوہ سے بہتی ہوئی نشیب میں گرتی ہے لیکن پہاڑ کی بلندیوں پر نہیں چڑھ پاتی، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں نافرمان اور گنہگار زیادہ ہیں، نیک اور فرماں بردار کم ہیں، جن کی اکثریت ہے ان کے پاس حکومت اور اقتدار کی طاقت ہے، دولت کی فراوانی ہے ذرائع اور وسائل کی کثرت ہے اس لئے اس زمانہ میں ایک برے شخص کے لئے آسان ہے کہ وہ ایک صالح نوجوان کو غلط راستہ پر لگا دے لیکن کسی غلط کار شخص کو صالح اور پارسا بنا دینا آسان نہیں ہے۔

یہاں زہد و اطاعت کی زندگی گذارنا اور گناہ و معاصی سے بچنا بڑا کام ہے اور خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے، خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ قیامت کے روز جو لوگ آفتاب کی تمازت سے محفوظ رہیں گے اور عرش کے سائے میں ہوں گے ان میں وہ خوش قسمت بھی ہوگا جس نے عبادت اور بندگی میں زندگی بسر کی ان میں وہ خوش نصیب شخص بھی ہوگا جسے کوئی خوبصورت عورت دعوت التفات دے اور اپنے پاس بلائے اور وہ محض اللہ کے خوف سے انکار کر دے۔

میرے بھائی! اب تم جا چکے ہو جو اللہ کو منظور تھا ہو چکا۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات ہر وقت یاد رکھو کہ گناہ کی لذت عارضی ہے لیکن اس کی عقوبت باقی رہنے والی ہے صبر و تحمل کی تکلیف ختم ہو جائے لیکن اس کا اجر و ثواب ہمیشہ باقی رہے گا۔ اللہ تمہیں اپنے امان میں رکھے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔

یہ حوریاں فرنگی دل و نظر کا حجاب
بہشت مغربیاں جلوہ ہائے پا بہ رکاب
دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا
مہ و ستارہ ہیں بحر وجود میں گرداب

بقیہ ص ۴ کا مضمون

انقلاب رونما ہوتا ہے کبھی بغاوتیں پھوٹ پڑتی ہیں انتشار بدنظمی، ہنگامہ آرائیوں کا ایک تانتا لگا ہوا ہے اور آج وہاں کی عوامی زندگی، اقتصادی و معاشی بحران کی بھٹی میں سلگ رہی ہے، روحانی نظام، اخلاقی اقتدار اسلامی معیشت و معاشرت کے دامنوں میں انگارے بھر دیئے گئے ہیں جو بہت جلد انھیں جلا کر ملکوں کی اصلی صورت حال کو بے نقاب کر دیں گے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جلد ہی وہ دن آنے والا ہے جب مغربی تہذیب کے دھارے میں یہ ملک بھی خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے ان کی نفرت و حقارت کی ڈائنامیٹ فیل ہو جائے گی، ان کے تمسخر و استہزاء کی تلواریں کند اور زنگ آلود ثابت ہوں گی۔

لاکھوں جتن کے باوجود تعصب و تشدد کی ساری چوکیداری کے ہوتے ہوئے یہ تہذیب ان ملکوں کی آہنی دیواروں کو پھلانگ جائے گی اور ان کا متشددانہ رویہ اسلامی زندگی کو نہیں بچا سکے گی۔

ان واقعات و تجربات کی روشنی میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مغربی تہذیب کے مقابلے میں خالص منفی رویہ غلط ہے بلکہ تجربہ بتاتا ہے کہ مخالفت کی شدت اور جاہلانہ عصبیت اس تہذیب کے نفوذ و استیلاء کیلئے راہیں ہموار کرتی ہے اور فضا سازگار بناتی ہے اور وقت آنے پر اس تیز رفتاری کے ساتھ اس ملک پر چھا جاتی ہے کہ بیچاری کی ساری تدبیریں ص

۴ بیکار ہو جاتی ہیں ـــ (باقی آئندہ)

مقالات

مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

(از مولانا اسیر ادروی)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلم ممالک، جہاں اسلام کے نام لیواؤں نے صدیوں حکومتیں کیں جہاں اسلامی تہذیب و تمدن کے شاندار کارنامے وجود میں آئے جن کو عرصۂ دراز تک اسلامی تعلیمات و روایات کے زیر سایہ رہنے کا شرف حاصل رہا، جن کے شہروں، قصبوں، اور گاؤوں میں اسلام ایک فاتح اور محسن انسانیت کی حیثیت سے رہا، جن کے میدانوں اور صحراؤں کے ذرہ ذرہ میں آفتاب اسلام نے اپنی کرنیں ودیعت رکھی تھیں، آج انھیں ملکوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، مغلوب اور مفتوح کی حیثیت میں ہے مغربی تہذیب نے ان ملکوں میں رستے ہوئے پانی کی طرح نفوذ کیا اور سیلاب بن کر پورے ملک کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کو اپنے دھارے میں بہالے گئی، جہاں اسلامی روایات و تعلیمات تشکیک و تذبذب کی طوفان خیز موجوں میں ہچکولے کھا رہی ہیں، اسلامی تہذیب و کردار کی کشتی کو سنبھالنے والے ہاتھ اپاہج اور مفلوج ہو گئے ہیں، یا اسلامی خاندان کے ہی نا عاقبت اندیش افراد نے اُسے تہذیب جدید کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دیا ہے۔

یہی وہ ممالک ہیں جنھیں اسلام کا وطن اولین ہونے کا شرف حاصل ہے، آفتاب اسلام کی پہلی کرنیں انھیں کے ظلمتکدوں میں داخل ہوئیں اور ان کی زندگی کی راہوں کو بقعۂ نور بنادیا اور انھوں نے اس کی روشنی میں پورے جاہ و طمطراق کے ساتھ ہزاروں برس کی راہیں طے کیں۔

لیکن آج یہی ممالک تہذیب جدید کے عیاروں کی شکارگاہ ہیں، ان کی داخلی اور خارجی زندگی سے اسلامی تہذیب و روایت اس طرح بیگانہ ہو چکی ہے کہ جیسے ان سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔ تاریخ عالم کا یہ غیر معمولی واقعہ ہے اور ایک عظیم حادثہ، یہ حادثہ پوری مسلم قوم کی ذہنی افسردگی اور قومی اضمحلال کی واضح علامت ہے، مسلم ممالک کا یہ رویہ پوری دنیا کے دل و دماغ پر مہلک اور نہایت تباہ کن اثر ڈال رہا ہے، اور دنیا آج یہ سمجھنے پر مجبور ہوئی ہے کہ جس طرح جدید علوم و فنون نے مذاہب عالم کی بنیادیں کھوکھلی کر دی ہیں اور ان کی تعلیم و روایات آج توہمات و خرافات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں، اسلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، ان ملکوں کے اونچے طبقے اور حکومت کے سربراہوں کا مغربی تہذیب کے سامنے پوری مرعوبیت کے ساتھ سر بسجود ہونا دنیا کو یہ باور کرنے کے لئے کافی ہے کہ اب اسلامی تعلیمات و روایات کے بھی دن پورے ہو چکے اور اسلامی دستور حیات از کار رفتہ ہو چکا ہے۔

آخر اس تبدیلی کے کیا اسباب ہیں؟ وہ کونسی طاقت ہے جس نے ان مسلم ملکوں کو تجلی اسلام کی گھنی چھاؤں سے کھینچکر مغربی تہذیب کی تپتی ہوئی دھوپ میں کھڑا کر دیا ہے؟ یہی وہ اہم سوال ہے جس کے جواب کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" تحریر فرمائی ہے۔

اس کتاب میں ان تمام اسباب و علل سے بحث کی گئی ہے جو مسلم ممالک میں یہ ذہنی ارتداد پھیلانے کے ذمہ دار ہیں — مصنف نے تاریخ کی روشنی میں محققانہ طور پر اس ذہنی تبدیلی کا جائزہ لیا ہے، اور ان خاص اور اہم اسباب کی نشاندہی فرمائی ہے جو ان مسلم ممالک میں قدر مشترک کے طور پر جاری و ساری ہیں اور اس ذہنی جنگ کو کمال تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے، جو عرصے سے مشرق و مغرب کے افکار میں جاری ہے جس میں بڑی حد تک مغربی افکار کو فتح نصیب ہوئی اور مشرق کی روایتی زندگی کے ملبے سے مغربی تہذیب کے فولادی قلعے تعمیر ہو گئے

سوال یہ ہے کہ مغربی تہذیب کیا ہے؟ اور کیسے وجود میں آئی؟ اس کے جواب صحیح کی روشنی میں اسلامی ملکوں کے رویہ کو صحیح یا غلط کہا جا سکتا ہے اور اس کے بارے میں کوئی ٹھوس لائحۂ عمل بتایا جا سکتا ہے، مصنف نے اس مسئلہ پر پوری جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

تہذیب جدید نہ کسی فلاسفر کے ذہن کا تراشا ہوا فلسفہ ہے اور نہ کسی مفکر نے غور و فکر کے بعد اصول و ترتیب کے ساتھ اس کی ساری کڑیاں جوڑی ہیں اور نہ کسی تھیوری اور نظریہ حیات کے طور پر منطقی ترتیب کے ساتھ اسے عالم وجود میں لایا گیا ہے، بلکہ یہ تہذیب از خود وجود میں آئی ہے اور اس کا وجود میں آنا تاریخ کی رفتار کا ناگزیر مرحلہ تھا، یورپ نے اپنی نشاۃ ثانیہ کے بعد جب علوم و فنون کی جانب توجہ کی، تو اُن کی دنیا بدل گئی، تجربات و حقائق نے اس کے سوچنے اور سمجھنے کے طریقوں کو بدل دیا۔ مختلف سیاسی و فکری نظام، معاشی فلسفہ، میکانکی طبعی، عمرانی اور ریاضی علوم نے ترقی کے مراحل طے کئے، ان تجرباتی علوم کی مدد سے انھوں نے فطرت کے اسرار کھولے اور کائنات کا وسیع شکل میں تجزیہ کیا، اور اس کے حقائق دریافت کئے تجربات و مشاہدات نے خیالات و مزعومات اور اذعان و یقین کا ایک مجموعہ تیار کر دیا۔ ان خیالات و افکار نے ان کی زندگی کے ہر ہر گوشے کو متاثر کیا، اسی تاثر کے نتیجے میں تدریجی طور پر یہ تہذیب وجود میں آئی۔ اس میں کسی مفکر کے قصد و ارادے کو کوئی دخل نہ تھا اور شاید موجودہ دور سے پہلے کوئی مفکر اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا تو

اسے تختۂ دار سے گذرنا پڑتا، یا پورا یورپ اسے مجذوب کی بڑ، اور پاگل کے خواب سے تعبیر کرتا۔

جب یہ حقیقت تسلیم کرلی گئی کہ موجودہ مغربی تہذیب، تاریخ ارتقاء کی ایک ضروری منزل ہے جہاں وقت اور زمانے کو پہونچنا لازمی اور ضرور تھا — پھر ایسی صورت میں مغربی تہذیب سے بھڑ جانا گویا وقت اور زمانے کے خلاف جنگ چھیڑ دینا ہے رفتار زمانہ سے ٹکرا کر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی اس کے یہ معنی نہیں کہ زندگی کی کشتی کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے، اور موجیں جس طرف چاہیں اُسے بہالے جائیں پھر کیا صورت ہو؟ اور کون سا رویہ اختیار کرنا چاہیے جو اسلام کی دعوت عامہ کے شایان شان بھی ہو، اور اسلامی روایات و تعلیمات کو برتری و عظمت بھی حاصل ہو، اور اُمت مسلمہ کو اس سیلاب کی زد سے بچایا بھی جا سکے، اس مسئلہ کے متعلق مصنف نے تاریخی تجزیہ کے ساتھ تین رویوں کا ذکر کیا ہے۔

پہلے رویہ کو سلبی یا منفی رویہ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی تہذیب جدید کے اس طوفان کے وجود سے عملی طور پر انکار کر دیا جائے جو آج ساری دُنیا میں اپنی جابر و قاہر موجوں کے ساتھ رواں دواں ہے، اور نہ ان علوم و فنون کو ہاتھ لگایا جائے، جن کی بدولت آج یورپ کو ساری دُنیا پر تفوق و برتری حاصل ہے اور ان علوم و فنون کی برکت کے طور پر جو آلات، مشینیں اور دوسرے ساز و سامان وجود میں آئے ہیں ان سے استفادہ کو حرام قرار دے کر اپنے ملکوں میں داخلہ کو ممنوع قرار دے دیا جائے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ رویہ عالم اسلام یا مسلم ممالک کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے، مصنف نے بجا طور پر کہا ہے کہ اس طرز عمل کا قدرتی نتیجہ عالم اسلام کی پسماندگی، فروتری و ذلت ہے، آج زندگی کا قافلہ جس تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی راہ میں آگے بڑھ رہا ہے اگر ہم اس سے زیادہ تیز رفتاری کا ثبوت نہ دے سکیں گے تو یہی نہیں کہ تمام مسلم ممالک اقتصادی و معاشی تباہی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کا روحانی نظام درہم برہم ہو جائے گا، بلکہ ان کا اپنا وجود بھی خطرہ میں پڑ جائے گا۔ اور واقعاتی دنیا میں افغانستان کی صورت حال اس کی بہترین مثال ہے، یہ ملک رسم و رواج کی پابندی کے لئے مشہور تھا، مشرق میں مغربی تہذیب کے نفوذ و استیلاء کے زمانہ سے اب تک ایک صدی تک اس نے پوری طاقت و قوت کے ساتھ افغانی حدود میں تہذیب جدید کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دی، لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کیا اس نے کوئی مادی ترقی کی؟ اس کی معاشی و اقتصادی پوزیشن مضبوط ہوئی؟ کیا اس نے اپنی حفاظت و استحکام کے لئے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کوئی ٹھوس قدم اٹھایا، ان باتوں کو جانے دیجئے کیا اس کا روحانی نظام مستحکم اور مضبوط ہوا؟ اس کی دینی و شرعی زندگی میں توانائیاں آئیں؟ اور کیا اسلامی تعلیمات و روایات کی سربلندی کے لئے کوئی پیشقدمی کر سکا؟

ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی اور اس کی مثال ایسی ہی ہوئی جیسے کوئی بہتے ہوئے پانی کے آگے بند باندھ کر اور اس کے بہاؤ کو روک کر مطمئن ہو جائے کہ پانی کی آمد برسوں اور صدیوں اسی رفتار کے ساتھ چلتی رہی جب بھی یہ بند جو ابتدائی پانی کی رفتار کو دیکھکر کمزور اور معمولی بنایا گیا تھا ہمیشہ کام دیتا رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی رواں دواں آتا رہا اور جمع ہوتا رہا، پانی کی سطح اونچی ہوتی رہی اور بند کی بلندی گھٹتی رہی، ہلکی ہلکی موجیں بند سے ٹکراتی رہیں اور افغانستان ان حقیر اور کمزور موجوں کی ناکامی کو دیکھکر مسکراتا رہا اور ان کی بے بسی اور نامرادی پر ہنستا رہا۔ لیکن پانی اپنی رفتار کے ساتھ آتا رہا اور اکٹھا ہوتا رہا، اب اس کی موجوں میں طاقت آگئی، حقیر بند اس کے ہر تھپیڑے پر لرزنے لگا، تھرتھرانے لگا اور آخر ۱۹۲۹ء میں یہ بند موجوں کے مسلسل طمانچوں کی تاب نہ لا کر اس طرح ٹوٹا کہ اس سیلاب کے ریلے میں بند کا ایک ایک ذرہ بہہ گیا، اور آج — افغانستان میں جہاں امیر امان اللہ خاں کو صرف اس جرم میں تخت سے دست بردار ہونا پڑا تھا کہ اس نے اپنی ملکہ کو بے پردہ نکلنے کی اجازت

(بقیہ صــ۲ــ پر)

خدا پرست کبھی بیوفا نہیں ہوتا

ابوالاسرار رمزی اٹاوی

کہو بُرا نہ کسی کو بھلا نہیں ہوتا — کسی کے کہنے سے کوئی بُرا نہیں ہوتا
کسی کے در سے کسی کو عطا نہیں ہوتا — بجُز خدا کوئی مشکل کُشا نہیں ہوتا
بس ایک ہی چوکھٹ ہے لائق سجدہ — ہر اک مقام پہ سجدہ روا نہیں ہوتا
یہ وہم چھوڑ نہ غیروں سے مانگ بھیک کبھی — کسی کے بھیس میں ہرگز خدا نہیں ہوتا
جنون ہو تو پہونچتا ہے مرد منزل پر — اگر ہو عزم مصمم تو کیا نہیں ہوتا
فساد بڑھتا رہیگا یونہی زمانے میں — نظام دین کا جب تک بپا نہیں ہوتا

خدا پرستی ہمارا شعار ہے رمزی
خدا پرست کبھی بیوفا نہیں ہوتا

(کیمبرج ہارورڈ یونیورسٹی ۱۶ راگست ۱۹۶۵ء)

امریکہ سے ایک اہم مکتوب

محترمی جناب سعید الاعظمی صاحب

سلام و رحمت

بحمد اللہ زندہ ہوں، امید کہ آپ بخیر ہوں گے! آپ کا رسالہ ۹ راگست کا چلا ہوا یہاں ۱۳ راگست کو موصول ہوا، عرصہ کے بعد ندوہ سے ڈاک آئی تو ایسا محسوس ہوا کہ ندوہ کی ساری زندگی سامنے آگئی۔ یاد ماضی کے نقوش اجاگر ہو گئے اور سارے خاکے ذہن میں ابھر آئے النادی العربی (جس کا میں ایک زمانہ میں سکریٹری تھا) اس کی یادیں بھی آئیں اور آ آ کر چلی گئیں۔ یہ آپ کی نوازش اور عنایت ہے کہ آپ نے فوری طور پر "البعث الاسلامی" کا پرچہ ارسال فرمایا۔ میں بے حد ممنون ہوں۔ آپ نے صحیح فرمایا کہ یہ سلسلہ ہمارے اور آپ کے علمی اور ثقافتی تبادلہ میں معاون ہوگا۔

میرا خود قصد ہے کہ "البعث الاسلامی" میں یہاں کی علمی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ لکھوں، بالخصوص امریکہ میں اسلامی میلانات اور رجحانات کے موضوع پر کچھ لکھ کر یہاں کے ذہین طبقہ کی بے قراری اور اضطراب فکر کی تصویر اپنے ملک کے علمی حلقہ میں پیش کروں لیکن غالباً اکتوبر تک تو یہ کام مشکل ہے کیونکہ یہاں کی علمی مصروفیات اس کی اجازت نہیں دیں گی! امریکی نظام تعلیم ہماری نظام تعلیم سے بے حد مختلف ہے کسی دوسرے موقع پر اس کے متعلق لکھوں گا۔

ندوہ سے میرا ربط قدیم ہے اسکی محبت ہمیشہ میرے دل میں قائم رہے گی۔ یہ فیض ندوہ ہے جو مجھے یہاں لایا ہے، اس بات کے عرض کرنے میں ذرا جھجک نہیں کہ خاک ندوہ کی برکت ہے جو میری علمی سرگرمیوں میں معاون و مددگار رہے عربی و انگریزی ادبیات میں .M.A کرنا یا پھر ہارورڈ یونیورسٹی میں امتیاز کے ساتھ علمی منازل کو طے کرنا سب فیوض و برکات ندوہ ہیں،

اساتذۂ ندوہ کی محبت و شفقت کی بدولت میں علم کی راہ پر گامزن ہوا۔

ان دنوں ہارورڈ یونیورسٹی میں P.h.D. کر رہا ہوں، علم کے صبر آزما مراحل سے دوچار ہوں۔ محنت و مشقت کی کوئی حد نہیں، تعلیمی مصروفیات کے ساتھ دینی مشاغل بھی جاری ہیں، میں ہارورڈ یونیورسٹی کے اسلامک سنٹر کا خطیب ہوں اور امام بھی، عالم اسلام کے بیشتر احباب سے ملاقات بھی ہوتی ہے۔ اخوانی ساتھی میرے بہترین دوست ہیں جو مولانا ابو الاعلیٰ صاحب سے بذریعہ "المسلمون" بخوبی واقف ہیں۔ یہاں کی نیگرو (NEGRO) آبادی تیزی سے مائل بہ اسلام ہے، نسل و رنگ کی امتیازی پالیسی سے وہ (نیگرو و حبشی) نہ صرف بیزار ہیں بلکہ اسکے خلاف باغیانہ تحریک کے سربراہ بھی ہیں، اخبارات کے ذریعہ آپ کو حالات معلوم ہوتے ہوں گے!

اسلامک سنٹر میں ان کی آمد و رفت رہتی ہے اس رابطہ سے ہماری ملاقات اور راہ و رسم بھی ان سے ہے۔ وہ شاکی ہیں کہ کوئی اسلامی تحریک قوت کے ساتھ ان کی پشت پر نہیں ہے وہ تنہا ہیں اور جنگ کو جاری رکھنے کے لئے انہیں منظم تحریک کی ضرورت ہے۔ اسلام کی طرف وہ تیزی سے قدم بڑھا رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی ادارہ انکی ہدایت کرے۔ ان میں وہی جوش، ولولہ، امنگ و حوصلہ موجود ہے جو آغاز اسلام میں نو مسلموں میں تھا۔ میرا قصد تھا کہ مولانا علی میاں صاحب کو ایک تفصیلی خط لکھوں اور یہاں کے حالات سے واقف کروں نیز توجہ دلاؤں کہ یہاں کی مذہبی خشک سالی کو تبلیغی جماعت کے ابر کرم کی ضرورت ہے لیکن موقع ابتک میسر نہیں آیا، انشاء اللہ فرصت ملتے ہی یہ کام بھی کروں گا۔ قادیانی تحریک یہاں کچھ منظم ہے اس کے مبلغین اکثر اشاعتی تحریکات میں معروف نظر آتے ہیں۔

امریکہ کی علمی و مذہبی زندگی ایک دلچسپ داستان ہے، جو ایک مختصر سے خط میں بیان نہیں کیجا سکتی، مادی زندگی کے سارے سامان موجود ہیں عیش کوشی کا فلسفہ مقبول ترین فلسفہ ہے

خوشتر از فکر مے و جام چہ خواہد بودن
چو خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن

زیادہ واضح انداز میں اسے خیامی فلسفہ کہہ لیجئے! ؎

روزے کہ گذشتہ است ازو یاد مکن
فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
بر نامدہ و گذشتہ بنیاد مکن
حالی خوش باش و عمر برباد مکن

ہر گناہ یہاں ART OF PLEASURF سمجھا جاتا ہے اور گناہگار کو ARTIST OF PLEASURE کہا جاتا ہے ؎

مے نوش ندانی ز کجا آمدہ
خوش باش ندانی کہ کجا خواہی رفت

اس نظریۂ حیات سے جو عملی زندگی کا فلسفہ پھوٹتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

افلاطونی فلسفۂ عشق ؎

فاش میگویم و از گفتن خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

اب مادی فلسفۂ عشق میں تبدیل ہو چکا ہے

؏ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

آزادی نسواں کا ذکر بھی فضول ہے، عریانی کو دیکھکر حیا کی پیشانی عرق عرق ہو جاتی ہے۔ صنف نازک کی تفصیل اس مصرعہ کے ذریعہ ادا کی جا سکتی ہے ؏ لباس شیوۂ حاجت بتان کہ نام بہشت زیادہ کھلے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے بقول خسرو ؎

جراحت جگر خستگان چہ می پرسی
ز غمزہ پرس کہ این شوخی از کجا آموخت

مشرقی ذہن مغرب کی اس بے راہ روی پر نہ صرف حیران ہے بلکہ ماتم کناں بھی ہے ؎

اصوم علی الفحشاء جھرا و خفیۃ
عفافا و انکاری بتقوی بین خاطری

آزادی نسواں کے باوجود وہ مغرب کی عورت، آج ہر دور سے زیادہ غلام ہے وہ مردوں کی خواہشات

کی غلام ہے۔ جہاں خرابیاں ہیں وہاں کچھ خوبیاں بھی ہیں، اور ایک ناقد جب محاسن اور مساوی دونوں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی نگاہیں محاسن پر بھی مساوی طور پر پڑتی ہیں بلکہ میں تو خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر محاسن کی خوشہ چینی کا زیادہ قائل ہوں۔ علمی تحقیق اور جستجو کا جو مادہ یہاں میں نے دیکھا ابھی ہمارے ملک میں عنقا ہے علم کی محبت اور اسکی راہ میں سرفروشانہ جذبہ اور وارفتگی لائق صد ستائش و ہزار تحسین ہے، دولت کی کمی نہیں لہذا سب سے زیادہ خرچ یہاں کے تعلیمی ادارے علمی تحقیقات پر کرتے ہیں، سائنس کی ترقی پر بحث فضول ہے۔ طلسم ہوشربا کا ایک باب ہے جو کھلا ہوا ہے۔ یہاں محنت و دیانت اور قومی زندگی میں اعتماد کا جو جذبہ ہے ہمارے یہاں عنقا ہے، میری مراد سیاسی دیانت یا بین الاقوامی سیاست سے نہیں بلکہ محض قومی زندگی اور ملی کردار سے ہے، ایسی محنت کی مثال بھی نہیں ملتی۔ اور شاید یہی محنت ترقی کی ضامن ہے، قومی نظم و ضبط بدرجہ اتم موجود ہے مکان کے باہر دروازوں پر قیمتی سامان پڑے رہتے ہیں کوئی ہاتھ لگانے والا نہیں سڑکوں پر اکثر لیٹر بکس کے سامنے پارسل کے بکس بھی پڑے رہتے ہیں کہ وقت پر ڈاکیہ اسے لے جائیگے۔ ہمارے ملک میں اس کا تصور محال ہے۔ اوقات کی پابندی ایفاء وعدہ سب اسلامی صفات ہیں جو ہم سے چھین گئی ہیں۔

تعلیمی اعتبار سے یہاں کی یونیورسٹیاں اچھی ہیں ہارورڈ یونیورسٹی چونکہ ۱۶۳۶ میں قائم ہوئی اس لئے امریکی ثقافت و علمی کلچر کا قبلہ ہے اسے تاریخی تقدس حاصل ہے تبرک اور تقدس کے لحاظ سے دیگر تمام یونیورسٹیوں پر اسے ایک فوقیت حاصل ہے۔ یہاں دیگر جامعات عالم کے اساتذہ بھی وقتاً فوقتاً پڑھاتے ہیں، مثلاً ہمارے بعض اساتذہ ہیں موسکو، طہران اور انگلینڈ کے اساتذہ بھی ہیں جو اصحاب بصیرت اور ادارائے علم و فضل سمجھے جاتے ہیں۔

اسلام کے ساتھ مغربی جامعات کا برتاؤ افسوسناک ہے اور حوصلہ شکن بھی، اسلام کے خلاف لکھنے والے نوجوان خواہ مشرقی ہوں خواہ مغربی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں بلکہ جو بھی اسلام کے خلاف کچھ لکھتا ہے اسے INTELLECTUALSMAN تصور کیا جاتا ہے، اور ہر قسم کی مراعات اسے دیئے جاتے ہیں۔

حسرت تو اس پر ہے کہ ہمارے ہند و پاک کے مسلم طلباء خام ذہنوں کے ساتھ آتے ہیں۔ اور اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ اسلام پر اس جوش و خروش کے ساتھ اعتراضات کرتے ہیں جس طرح مغربی اسکالر کرتے ہیں۔ اسلام کے متعلق بڑے مضحکہ خیز نظریات یہاں عام ہیں۔ مثلاً۔

(۱) قرآن الٰہی کتاب نہیں بلکہ محمد صلعم کی ذاتی تصنیف ہے (العیاذ باللہ)

(۲) آنحضرت نے عربی کتابوں کی معاشی اصلاح کیلئے تحریک چلائی اور بدوی عربوں کو خانہ جنگیوں سے نجات دلا کر معاشی استقلال اور سیاسی آزادی بخشی عربوں کا ذہنی داخلی خانہ جنگیوں سے منتقل ہو کر خارجی فتوحات میں مشغول ہو گیا اور اس طرح محمدؐ نے ایک سیاسی اسٹیٹ قائم کر لیا اور اس کے حکمران بن گئے۔ (العیاذ باللہ)

پروفیسر اسمتھ سے آپ واقف ہیں، اور وہ محتاج تعارف بھی نہیں، آج کل اسی یونیورسٹی میں خدمات انجام دے رہے ہیں، پروفیسر [illegible] ہمارے شعبہ کے صدر الصدور تھے آجکل علیل ہیں، اور لندن گئے ہوئے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ، فلسفہ اسلام تصوف، اور فقہ اسلامی پر زیادہ زور ہے۔ اس بات کے اعتراف میں مجھے ذرا بھی جھجک و ہچکچاہٹ نہیں کہ یہاں کے اساتذہ جس قدر محنت کرتے ہیں اور علمی سراغرسانی میں سرگرداں و پریشان رہتے ہیں، شاید ہمارے یہاں کے بڑے بڑے علماء بھی اس قدر محنت نہیں کرتے، ہمارے یہاں بی۔اے اور ایم۔اے کے طالب علم کو عربی کے ماخذ کا پتہ تک نہیں ہوتا۔ یہاں کا طالب علم نہ صرف عربی ماخذ سے واقف ہوتا ہے بلکہ اس کے استعمال کی امکانی کوشش بھی کرتا ہے۔ البتہ اسلامی مسائل کی تفسیر و تعبیر میں اساتذہ اور طلبہ دونوں عصبیت کا مظاہرہ کرتے ہیں جس سے وہ من حیث عیسائی بچ بھی نہیں سکتے۔

یہاں ایک مناظرۂ مذاہب کی محفل ہے، مجھے بھی شرکت کا موقع ہوتا ہے۔ یہ محفل مناظرہ دراصل اس لئے قائم کی گئی ہے کہ عیسائی نوجوانوں کو مذہبی شکوک سے بچایا جائے، آج کل یہاں کے ذہین عیسائی طبقہ میں عیسائی مذہب کے بارے میں شکوک پیدا ہو گئے ہیں، بعض تو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا تصور نہیں کرتے، بعض مذہب ہی کا انکار کرتے اور ان میں اس قدر متضاد خیالات کے فرقے پیدا ہو گئے ہیں کہ عیسائی مذہب کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ یہ مناظرہ مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کے بالغ النظر اور باشعور اور ذہین طبقہ میں ہوتا ہے اس کا مقصود یہ بھی ہے کہ عیسائی نوجوانوں پر ثابت کیا جائے کہ اختلافات اور فرقوں کی کثرت صرف عیسائی مذہب میں نہیں بلکہ مذہب اسلام میں بھی ہے، اس لئے مناظروں میں ہر مدرسۂ فکر کے لوگ مدعو کئے جاتے ہیں مثلاً۔

شیعہ، قادیانی، اور معتزلی ذہن کے لوگ بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنے اختلافات کو ظاہر کریں اور یہ عیسائی نوجوانوں کے لئے باعث تقویت ہو۔ لیکن اعجاز اسلام دیکھئے کہ ایسے موقعوں پر کوئی، ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتا اور مناظرہ کی محفل میں صرف یہ اعلان کرتا ہے کہ اصول میں ہم سب ایک ہیں، متحد ہیں فروعات میں کچھ اختلافات ہیں لیکن وہ اہمیت نہیں رکھتے، یہ سنکر عیسائی حلقہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ بہرحال مناظرہ کا مزاج ہمارے ملک کی طرح دست و گریباں چاک کرنے کا نہیں ہوتا بلکہ افہام و تفہیم کی ایسی فضا ہوتی ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔

داستان طویل ہوتی جا رہی ہے اب میں آپکا مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ انشاء اللہ پھر کسی موقع پر لکھونگا۔ اگر آپ کے البعث میں اس قسم کے مضامین یا مراسلہ کی جگہ ہو تو اس مراسلہ کے ضروری حصہ کو جو آپ کی نظر میں کار آمد ہوں تقریب کے بعد شائع کر سکتے ہیں۔

استاذ الادب مولانا عبد الماجد اور پرنسپل مولانا ابو العرفان صاحبان کی خدمت میں نیاز عرض کر دیں۔

والسلام

مخلص

حبیب الحق ندوی

روح اور ڈھانچہ

ڈاکٹر احمد امین مصری ------ ترجمہ ------ شعبان صدیقی ہشتم درجہ ہفتم

معنوی دین حرکات وسکنات اور الفاظ کے مجموعہ کا دوسرا نام ہے جس کے پس پردہ خالی باتوں اور تاویلات کے سوا کچھ نہیں، اور دین حقیقی پرسکون روح وقلب کے ساتھ زندگی کی حرارت ہے، نماز معنوی دین میں صرف ورزشی کھیل ہے۔ حج صرف مشینی حرکت اور جسمانی سفر ہے، دینی مظاہر محض ڈرامائی کردار ہیں ——— کلمہ لا الٰہ الا اللہ معنوی دین میں ایک حسین وجمیل سا شعر ہے لیکن دین حقیقی میں یہی سب کچھ ہے' یہ زر پرستی اور اقتدار پسندی کے خلاف بغاوت ہے یہ جاہ پرستی اور خواہشات کی بندگی کیلئے سم قاتل ہے اور یہ ہر اس چیز کے خلاف نبرد آزما ہے جو غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے کی ترغیب دے کلمہ لا الٰہ الا اللہ دین معنوی میں جسمانی خواہشات اور ذلت وخواری کے سامنے سر جھکانے کا ساتھ دے سکتا ہے لیکن دین حقیقی میں یہ کلمہ اپنے حقیقی معنی کے سوا کسی اور معنی سے متفق نہیں ہوسکتا۔ دین معنوی میں یہ ہوا کہ ایک جھونکے میں روئی کی طرح اڑ سکتا ہے لیکن دین حقیقی میں اس سے پہاڑوں میں رعشہ پیدا ہوسکتا ہے،

معنوی دین ایک تجارت ہے فن ہے جس میں ہر شخص مہارت پیدا کرسکتا ہے اور عظیم فنکار بن سکتا ہے لیکن دین حقیقی، انسان کی روح ہے' دل ودماغ اور عقیدہ ہے یہ شاندار باعزت کام پر انسان کو ابھارتا ہے ایک ولولہ اور جوش پیدا کرتا ہے، دین حقیقی ایک ایسا آب حیات ہے جو مردہ کو نئی زندگی بخشتا ہے اور کمزور ولاچار کو قوت و توانائی عطا کرتا ہے وہ ایسا سنگ کیمیا ہے جو پیتل چاندی اور سیسہ کو کھرا سونا بنا دیتا ہے، دین حقیقی ایک ایسا عقیدہ ہے جس کی لافانی دلیلوں اور معجزات کے سامنے علم، فلسفہ، اور تاریخ محو حیرت کھڑے ہوجاتے ہیں دین حقیقی ایسا تریاق ہے جسے اگر کسی کو کچھ عطا کردیا جائے تو وہ زندگی کی زہر آلود گیوں سے ہمیشہ کیلئے بے نیاز ہوجائے۔

دین حقیقی اپنے ماننے والوں کو یہ سبق دیتا ہے کہ اگر زندہ رہے تو اسی کے لئے زندہ رہے اور جنگ کرے تو صرف اسی کے لئے، اور معنوی دین اپنے ماننے والے سے دست بستہ التجا کرتا ہے کہ وہ اس کو لیکر زندہ رہے، اس کے ساتھ تجارت کرے، اس کے لئے تاویلیں ڈھونڈھے لیکن اسی کو یتیم نہ بنائے

دین حقیقی کا ماننے والا ہر اقتدار سے بالاتر رہتا ہے، ہر سیاست پر اثرانداز ہوتا ہے لیکن دین معنوی کا ماننے والا اس کی انگلی پکڑ کر گھماتا رہتا ہے کبھی اسی کو سیاست کے اکھاڑے میں گھسیٹتا ہے اور کبھی اپنے دین کو اقتدار وجاہ پرستی کے لئے استعمال کرتا ہے۔

دین حقیقی قلب ودماغ کا جوہر ہے اور دین صناعی کو صرف اعراب وتاویلات کا ڈھیر ہے دین حقیقی حق کے لئے غصہ کا اظہار، ظلم کے خلاف نفرت وحقارت کا جذبہ اور انصاف کے لئے موت سے ہم کنار ہونیکا دوسرا عنوان ہے لیکن معنوی دین عمامہ اور جبہ ودستار کے سوا کچھ نہیں جس کی لمبی لمبی آستینوں میں تصنع اور بناوٹ بھری ہوئی ہے۔ اور اب یہ آخری دور تصنع کے علاوہ بھی کچھ رہ گیا ؟

افسوس ہے ایسے لوگوں پر جو زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ دین حقیقی کی روح سے دور ہوتے جارہے ہیں اور اس کے بے جان ڈھانچے سے چمٹے ہوئے ہیں جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ روح ایک بلاقیمت ارزاں شئی بن گئی اور یہ بے جان ڈھانچہ سب سے قیمتی چیز بن گیا۔

ایمان کی شان عشق کی شان ہے، جو برودت کو حرارت میں گمنامی کو شہرت میں اور ذلت کو عزت میں اور خودغرضی کو ایثار میں تبدیل کردیتی ہے

ایمان حقیقتاً ایک ایسی جادو کی چھڑی ہے جس کے لمس سے ہر چیز جھلملا جاتی ہے، کون ہے جو اس دین معنوی کو ایمان کے ایک ذرے میں خرید لے ؟

لی کبد مقروحة من يبيعني
بها كبدا ليست بذات قروح

میں ایک زخم خوردہ جگر کا مالک ہوں کوئی ہے جو اس کے بدلے مجھے صحت مند جگر دیدے۔

بقیہ ص۹ کا مضمون

زمین پر ہوتا ہے جو بزور شمشیر فتح کی گئی، مزید یہ کہ ایسی زمین کے بارے میں ثابت ہے کہ عمرؓ نے خراج نہیں مقرر کیا تھا: ۲

بنجر زمین :- وہ زمین جو قابل کاشت نہ ہو اور اس پر ہل بھی نہ چلا ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہی ہو، بلکہ ایک مدت سے لوگ دیکھتے چلے آرہے ہوں کہ یہ بنجر زمین ہے جو کہ قابل کاشت نہیں ہے، خواہ یہ عرض صلح ہو یا ایسی زمین ہو جس کے رہنے والے اسلام لے آئے ہوں، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس کا تعلق ایسی زمین سے نہ ہو جس پر مسلمانوں نے جنگ کرکے قبضہ کیا ہو،

ایسی زمین کا مالک وہ شخص ہوگا جو اسے قابل کاشت بنائے اور اسے اس زمین سے فائدہ اٹھانے کا پورا پورا حق ہوگا لیکن امام ابوحنیفہؒ نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ایسی زمین کی ملکیت کے لئے خلیفہ وقت کی اجازت ضروری ہے اور خلیفہ کو حق ہے چاہے وہ اجازت دے یا نہ دے، اجازت دینے کے بعد بھی ضرورت پڑنے پر وہ اس زمین کو اس سے واپس لے سکتا ہے

لیکن صاحبین نے امام صاحب کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور جمہور آئمہ کے قول سے اتفاق، اور کتب فقہ کے مطالعہ سے جمہور آئمہ کا قول ہی زیادہ صحیح اور راجح معلوم ہوتا ہے۔

(بقیہ آئندہ)

پروپرائٹر محمد الحسنی نے شاہی پریس میں میں چھپوا کر
دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

مکتبہ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحی رہ
سابق ناظم ندوۃ العلماء

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامہ سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، متنوع اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر وسخن کا ذوق سلیم، گہری تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور انکی شاخوں اور قصبوں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جابجا ملیں گے قیمت مجلد ۔/۵ روپیہ

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت وتاریخ وادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم وجدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جابجا وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۔/۵ روپیہ

تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور ومقبول بزرگ عالم اور اپنے زمانہ کے حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد ومحبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔ قیمت ۔/۳

العقیدۃ السنیۃ

از مولانا محمد اویس ندوی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ کتاب شاہ ولی اللہؒ کے رسالہ العقیدۃ الحسنۃ کی شرح ہے، اس کتاب میں نازک اور پیچیدہ مسائل اس طرح آسان اور واضح کردیئے گئے ہیں کہ طلبا تھوڑی سی محنت سے بہت کچھ حاصل کرسکتے ہیں، مولانا نے اس سلسلہ میں ابن تیمیہؒ، ابن قیم اور بعض دوسرے ائمہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، مدارس عربیہ کیلئے ایک بیش بہا کتاب، طلبا اور اہل علم کیلئے بہترین تحفہ۔ قیمت ۔/۲

سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

از: سید محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

پیش نظر کتاب میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کی سیرت اور انکی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ندوۃ العلماء جیسی حیات آفریں تحریک کا قیام، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شاندار دور نظامت، سلوک وتربیت اور عمومی بیعت واصلاح کے ذوق کے ساتھ ساتھ عیسائیت، بہائی فتنہ، قادیانیت کے استیصال پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولاناؒ کی سیرت کے ساتھ ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ بھی نظروں کے سامنے آجائے، یہ کتاب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے مقدمہ سے مزین ہے!

مسئلہ ختم نبوت — علم وعقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کو ٹھوس علمی وتحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی وعقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہوجائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدہ ختم نبوت میں شک وشبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ فاضلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے! قیمت :- ۲ روپئے ۵۰ پیسے

تمرین الصرف ۰ تمرین النحو

جب ہمارے مدارس میں کم عمر کے طلبہ داخل ہونے لگے ہیں، پڑھانے والوں کو اسکا احساس ہونے لگا ہے کہ صرف ونحو کی پرانی کتابیں انکے سن وسال، ذہن وطبیعت کیساتھ مناسبت نہیں رکھتیں، دار العلوم نے اسی بات کے پیش نظر بچوں کیلئے صرف ونحو کا نیا نصاب مرتب کرنیکا کام شروع کردیا ہے اور اسکی دو کتابیں تمرین الصرف وتمرین النحو طبع ہوچکی ہیں، یہ نصاب دار العلوم کے اساتذہ مولانا محمد مصطفیٰ ندوی، مولانا عبد الماجد ندوی، مولانا معین اللہ ندوی نے مرتب کیا ہے۔ قیمت بالترتیب ۔/۷۵ ، ۔/۷۵